ہر اتوار کو روزنامہ اسلام کے ساتھ شائع ہوتا ہے
اسلام
بچوں کا اسلام
595 اتوار 12 محرم 1435ھ مطابق 17 نومبر 2013ء
بوڑھا بیٹا
شریف مرد
ذرا آواز دینا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جسے چاہتا ہے

’’جن لوگوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کے لیے دنیاوی زندگی بڑی دل کش بنادی گئی ہے اور وہ اہلِ ایمان کا مذاق اڑاتے ہیں، حالانکہ جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا ہے، وہ قیامت کے دن ان سے کہیں بلند ہوں گے اور اللہ جسے چاہتا ہے، بے حساب رزق دیتا ہے۔

سات لڑائیوں میں

اُمِ عطیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات لڑائیوں میں حصہ لیا ہے، میں ان کے ڈیروں میں رہتی، ان کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کا علاج کرتی اور بیماروں کی تیمارداری کرتی تھی۔(مشکوٰۃ)

دو باتیں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ: کبھی کبھی ایسی بات سامنے آجاتی ہے جس کا خواب میں بھی گمان نہیں ہوتا... ایسی حالت میں آدمی حیرت زدہ رہ جاتا ہے... بلکہ دھک سے رہ جاتا ہے... اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا... چند دن پہلے میرے ساتھ ایسا ہی ہوا...

1974ء میں قادیانیوں کے خلاف اس وقت کی قومی اسمبلی نے یہ فیصلہ دیا تھا کہ قادیانی غیر مسلم ہیں... یہ فیصلہ کس طرح ہوا... اس کی تفصیل اسی شمارے میں آپ پڑھیں گے... بہت ہی دلچسپ حقیقت آپ کے سامنے آئے گی... 74ء کے قومی اسمبلی کے اس فیصلے کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا، لیکن قادیانیوں نے ایک نیا پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ اس کارروائی کو منظرِ عام پر لے آیا جائے تو آدھا پاکستان قادیانی ہوجائے گا... گویا وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ قومی اسمبلی میں ان کے اس وقت کے خلیفہ مرزا ناصر نے جو بیانات دیے ہیں... ان کے مطابق قادیانیت کے حق میں فیصلہ ہونا تھا... لیکن حقیقت کو دبا لیا گیا تھا... لہٰذا اگر وہ ساری کارروائی جو تیرہ دن تک جاری رہی تھی... ملک کے لوگوں کے سامنے آجائے تو آدھا پاکستان مرزائی ہوجائے...

یہ پروپیگنڈہ کچھ اس قدر زور شور سے کیا گیا کہ مسلمانوں کے لیے دلوں میں درد رکھنے والا ہر شخص یہ خواہش کرنے لگا کہ کاش یہ کارروائی منظرِ عام پر آجائے...

حکومتوں کے کچھ اپنے اصول اور قواعد ہیں... اس کارروائی کو منظرِ عام پر لانے کے لیے اگرچہ علما نے بہت کوششیں کیں، لیکن خود مرزائی اس معاملے میں رکاوٹ بنتے چلے گئے... ایک طرف تو وہ یہ مطالبہ کرتے رہتے تھے کہ یہ کارروائی منظرِ عام پر آئے... لیکن اندر خانے اس کے الٹ ان کی کوشش تھی... وہ چاہتے تھے کہ یہ کارروائی کبھی بھی منظرِ عام پر نہ آئے... لیکن ہوتا تو وہی ہے... جو اللہ کو منظور ہوتا ہے... آخر کار یہ کارروائی حکومت کی منظوری سے 2012ء میں منظرِ عام پر لانے کی اجازت دی گئی...

اس زمانے میں میں بھی یہ خواہش کیا کرتا تھا کہ کاش ہم لوگ بھی اس کارروائی کو پڑھ سکیں... اور مرزائیوں کے دعووں کی وجہ جان سکیں... لیکن انتظار لمبا ہوتا چلا گیا... کہاں 1974ء اور کہاں 2012ء... یعنی پورے 38 سال بعد کارروائی کتابی شکل میں چھپنے کی اطلاعات ملیں... لیکن میں تو اب بھی اسے نہیں دیکھ سکا تھا...

اب دیکھیے... قدرت کے کام... ابھی صرف چند دن پہلے یعنی 3 اکتوبر 2012 کو صبح میرے دروازے پر دستک ہوئی... میں نے دروازہ کھولا تو بڑا سا بریف کیس اٹھائے ایک مولانا نظر آئے... ان کے چہرے پر ایک دل کش مسکراہٹ تھی... میری تو عادت ہے... پیشانی پر شکن ضرور آتی ہے... صرف اس خیال سے کہ اب گیا میرا ایک آدھ گھنٹا... بہرحال ان سے مصافحہ کیا اور کمرے میں لا بٹھایا... انھوں نے بتایا... ملتان سے چلا آرہا ہوں اور یہاں سے اسلام آباد جارہا ہوں... اور یہ کہ میرا تعلق ادارہ ختمِ نبوت خط و کتابت کورس سے ہے... یہ سن کر میں نے نہایت گرم جوشی سے ان سے دوبارہ مصافحہ کیا... انھوں نے اپنا نام حافظ محمد الیاس صاحب بتایا... اور لگے اپنا بریف کیس کھولنے... پھر اس میں سے ایک وزنی پیکٹ نکالا... پیکٹ کو کھول کر اس میں سے پانچ ضخیم کتابیں نکال کر میرے سامنے رکھ دیں... میں یہ دیکھ کر اچھل پڑا کہ وہ 1974ء کی اسمبلی کی کارروائی پر مبنی پورا سیٹ تھا... یعنی جس کارروائی کے بارے میں مرزائی 38 سال تک یہ کہتے آرہے تھے کہ اگر وہ منظرِ عام پر آجائے تو آدھا پاکستان قادیانی ہوجائے... وہ کارروائی... میرے گھر میں میرے سامنے موجود تھی... یہ اللہ کی شان نہیں تو اور کیا ہے... مختصر تفصیل اسی شمارے میں آپ پڑھیں گے ان شاء اللہ!

والسلام

سالانہ زرِ تعاون اندرونِ ملک: 600 روپے، بیرونِ ملک: 3700 روپے

خط کتابت کا پتہ
”بچوں کا اسلام“ دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد 4 کراچی فون: 021 36609983
بچوں کا اسلام انٹرنیٹ پر بھی: www.dailyislam.pk ای میل: bkislam4u@gmail.com

کچا مکان

بینا رانی ۔ ملتان

''سر میں اپنا بنگلہ فروخت کرنا چاہتا ہوں۔'' ڈرائیور عبدالرحمٰن نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے سیٹھ ریاض احمد سے کہا۔

''ہاہاہا... ہاہاہا... تم مذاق بہت اچھا کر لیتے ہو عبدالرحمٰن... تم ساتھ ہوتے ہو تو میں بور نہیں ہوتا۔'' اپنے ڈرائیور کے منہ سے یہ جملہ سن کر سیٹھ صاحب کی ہنسی رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

''مگر سر! میں نے یہ بات مذاق میں نہیں کہی، میں سنجیدہ ہوں اور واقعی اپنا بنگلہ فروخت کرنا چاہتا ہوں... اور آپ سے اس بات کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ آپ بھی آج کل ایک خوب صورت بنگلے کی تلاش میں ہیں... میرا بنگلہ بہت خوب صورت ہے، اسے دیکھ کر آپ کا دل خوش ہو جائے گا... آپ کی چاہت کے عین مطابق عمارت کے دونوں اطراف میں بڑے بڑے گراسی پلاٹ ہیں... دس کمرے ہیں، دس ہی باتھ روم ہیں، مطلب یہ کہ ہر کمرے کے ساتھ اٹیچ باتھ، آپ کو ضرور پسند آ جائے گا۔''

''تم نے خواب تو نہیں دیکھ لیا عبدالرحمٰن۔'' سیٹھ صاحب پھر ہنسے۔

''سر میں کہہ چکا ہوں کہ میں سنجیدہ ہوں۔'' اب کی بار ڈرائیور عبدالرحمٰن کے سپاٹ لہجے نے انھیں سنجیدہ ہونے پر مجبور کر دیا۔

''تت... تو تم یہ سچ کہہ رہے ہو... مگر یہ سچ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم نے تو مجھے بتایا تھا کہ 9 ہزار کی قلیل تنخواہ میں تم اپنے دو بچے، بیوی، والدہ اور دو بہن بھائیوں کا پیٹ پالتے ہو... 9 ہزار کی تنخواہ میں 7 بندوں کا خرچ اٹھانے والا... وسیع و عریض اور خوب صورت ترین بنگلہ اپنے پاس ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے؟''

''جی... یہی بات ہے سر... ہم لوگ وسیع و عریض خوب صورت بنگلے میں ہی رہائش پذیر ہیں اور یہ میری والدہ کی خواہش تھی، ورنہ تو وہ بنگلہ آج سے بارہ سال پہلے فروخت ہو چکا ہوتا۔''

''تم... تم کہنا کیا چاہتے ہو عبدالرحمٰن۔'' سیٹھ صاحب کے انداز سے بے قراری ٹپک رہی تھی۔

''بات دراصل یہ ہے سر کہ... میرے والد کا شمار شہر کے امیر ترین لوگوں میں ہوتا تھا... انھوں نے ہی اپنی زندگی میں یہ بنگلہ بنوایا تھا اور اس کی ہر ہر چیز پر پیسہ پانی کی طرح بہایا تھا... اس وقت ہم بہت امیر تھے، دولت ہمارے گھر کی باندی تھی... پھر ایک دن اچانک ابا جان کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے... ہم سب اس اچانک افتاد سے ٹوٹ پھوٹ کر رہ گئے... ادھر ان کے کاروبار میں شریک دوست نے دھوکا کیا اور کچھ رقم ہمیں تھما کر سارے کاروبار پر قابض ہو گیا... اس وقت ہم چھوٹے تھے، صدمہ بھی گہرا تھا... اس کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکے... والد صاحب کی وفات کے بعد امی جان بہت زیادہ بیمار رہنے لگیں... اب ان کی بیماری پر پیسہ پانی کی طرح بہہ رہا تھا... ادھر ہم چھوٹے تھے، کوئی کاروبار بھی شروع نہیں کر سکتے تھے، لہٰذا والد صاحب کا بینک بیلنس ہی خرچ ہوتا رہا... پھر جب تک ہم کچھ کرنے کے قابل ہوئے، سوائے بنگلے کے ہمارے پاس کچھ نہیں بچا تھا... اس وقت میں نے والدہ صاحبہ سے عرض کیا کہ اس بنگلے کو فروخت کر کے کوئی مناسب قیمت کا مکان خرید لیتے ہیں اور باقی پیسے سے میں کوئی کاروبار شروع کر لیتا ہوں... والدہ صاحبہ میری یہ بات سن کر خوب روئیں... انھیں اس بنگلے سے دیوانگی کی حد تک محبت تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ والد صاحب سے بہت محبت کیا کرتی تھیں اور اس گھر میں والد صاحب کی بہت سی نشانیاں تھیں... بلکہ یہ پورا بنگلہ والد صاحب کی نشانی ہی تھا... لہٰذا ہم نے محسوس کر لیا کہ وہ یہ بنگلہ ہرگز فروخت نہیں کرنا چاہتیں... تب میں نے بنگلے کو فروخت کرنے کا خیال دل سے نکال دیا اور ایک پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت شروع کر دی... امی جان بہت ہی کفایت شعاری کا مظاہرہ کر رہی تھیں... حالانکہ وہ بہت کھلا خرچ کرنے کی عادی تھیں... وہ میری تنخواہ میں نہ صرف گھر کا خرچ اٹھا رہی تھیں، بلکہ کچھ نہ کچھ رقم ہر ماہ بچا کر بھی رکھ رہی تھیں... اسی طرح بچا بچا کر انھوں نے میری شادی کر دی... پھر کسی وجہ سے مجھے اس کمپنی کی نوکری چھوڑنی پڑی تو میں ڈرائیونگ سیکھ کر ادھر آپ کے پاس آ گیا... اب میرے دو بچے ہیں، میں چاہتا تو آج سے 12 سال پہلے ہی وہ بنگلہ فروخت کر کے کوئی کاروبار شروع کر سکتا تھا اور امیروں کی صف میں شامل ہو سکتا تھا... مگر بنگلہ فروخت نہ کرنا میری والدہ کی خواہش تھی... اور ان کی خواہش کا احترام میں زندگی کے آخری سانس تک کرنا چاہتا تھا... سو میں نے ایسا ہی کیا... انتہائی تنگی کے دن تو گزار لیے... ملازمتوں پر گزارہ تو کر لیا پر والدہ صاحبہ کی خواہش کے خلاف نہ کیا... اب چھ ماہ ہوئے والدہ صاحبہ اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں... اب میں وہ بنگلہ فروخت کرنا چاہتا ہوں... تاکہ کوئی مناسب قیمت کا مکان خرید کر باقی رقم سے کوئی اچھا سا کاروبار شروع کر سکوں۔'' ڈرائیور عبدالرحمٰن کہتا جا رہا تھا۔ سیٹھ ریاض احمد کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ وہ کہیں اور ہی کھو گئے تھے۔ دماغ کی سوئی انھیں شہر سے دیہات میں دھکیل کر لے گئی تھی۔ ان کی والدہ نے انتہائی مفلسی کی حالت میں انھیں پال پوس کر جوان کیا تھا اور کپاس چن کر اور لوگوں کے گھروں میں کام کر کے ان کی تعلیم کا خرچ برداشت کیا تھا۔ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو بڑا افسر بنانا چاہتی تھیں مگر تعلیم مکمل کرنے کے بعد جب ان کی شہر میں ملازمت لگی تو وہ شہر کے ہی ہو کر رہ گئے۔ والدہ کو دو ایک بار شہر میں اپنے پاس رہنے کا کہہ کر گویا انھوں نے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ شہر میں ہی انھوں نے شادی بھی کر لی تھی۔ ادھر دیہات میں بیٹھی والدہ جو ہر لمحے انھیں اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھنا چاہتی تھی، ان کی جدائی میں آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھی۔ سیٹھ صاحب دیہات کی گلیوں میں چلنا اپنی توہین سمجھنے لگے تھے۔ لہٰذا سال میں کبھی ایک آدھ بار اس توہین کو برداشت کر لیا کرتے تھے۔ والدہ کو کچے مکان سے بہت محبت تھی۔ وہ اسے کسی قیمت میں نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ لہٰذا اب وہ اسی کچے مکان میں اپنی بوڑھی ہڈیوں کے ساتھ زندگی کے دن گن گن کر کاٹ رہی تھی۔ تنہائی اسے کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی۔ سیٹھ صاحب اس سے ملنے آتے تو آنسوؤں کا سیلاب ہوتا تھا جو بوڑھی والدہ کی آنکھوں سے بہہ رہا ہوتا تھا مگر شہر کی چکا چوند کے آگے والدہ کے آنسو انھیں بے قیمت سے لگنے لگے تھے۔ اسی وجہ سے یہ آنسو کبھی ان کے دل پر چوٹ نہ لگا سکے تھے اور ان کے ضمیر پر کچوکا نہ لگا سکے تھے۔ آج ڈرائیور کی داستان سن کر وہ خود کو بہت گرا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ انھیں خود سے اور اپنے کردار سے گھن آ رہی تھی۔ وہ اس عظیم انسان کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے جس نے اپنی والدہ کی خواہش کے احترام میں نوکروں والی زندگی تو گزار لی تھی، پر والدہ صاحبہ کی خواہش کے خلاف نہیں کیا تھا۔ ان کا ایک ایک عضو بے قرار ہو گیا تھا۔ اپنا آپ انھیں بہت چھوٹا لگ رہا تھا۔

آخر انھوں نے ایک بہت بڑا فیصلہ کیا۔ اپنی بوڑھی والدہ کی زندگی تک ان کے پاس رہنے کا فیصلہ! وہ سوچ رہے تھے، شاید کہ اس طرح اس گناہ کی تلافی ہو جائے جو انھوں نے بوڑھی ماں کو تکلیف دے کر کیا تھا۔ اگلی صبح وہ اپنی وسیع و عریض کوٹھی کو تالا لگا کر بیوی بچوں سمیت گاؤں کی طرف رواں دواں تھے۔ اپنی جنت کے پاس زندگی گزارنے کے لیے۔ ہاں کچے مکان میں رہنے کے لیے۔

واقعاتِ صحابہ کے 85

عبداللہ فارانی

قدم بہ قدم

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھر میں تھے اور وہ گھر اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنھم سے بھرا ہوا تھا۔ کوئی جگہ نہ پا کر حضرت جریر رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑے ہوگئے۔ انھیں کھڑے دیکھ کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں بائیں دیکھا۔ آپ کو کوئی جگہ نظر نہ آئی تو آپ نے اپنی چادر اٹھائی اور اسے لپیٹ کر حضرت جریر کی طرف پھینک دیا، ساتھ ہی آپ نے فرمایا:

''اس پر بیٹھ جاؤ۔'' (یعنی دروازے پر، بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ)

حضرت جریر نے چادر لے کر اپنے سینے سے لگالی اور اسے چوم کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واپس کردی۔ پھر عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کا ایسے اکرام فرمائے جیسا آپ نے میرا اکرام فرمایا۔''

اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تمہارے پاس کسی قوم کا قابلِ احترام آدمی آئے تو اس کا اکرام کرو۔''

o

دو آدمی حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ وہ ایک تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ انھوں نے اسے اٹھا کر ان دونوں کے لیے رکھ دیا۔ اس پر انھوں نے کہا:

''ہمیں اس کی ضرورت نہیں! ہم تو آپ سے کچھ سننے کے لیے آئے ہیں، تاکہ ہمیں اس سے کچھ فائدہ ہو۔''

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جو شخص اپنے مہمان کا اکرام نہیں کرتا، اس کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں، اس آدمی کے لیے خوش حالی اور نیک انجامی ہے جو اپنے گھوڑے کی رسی اللہ کے راستے میں پکڑے ہوئے ہے اور روٹی کے ایک ٹکڑے اور ٹھنڈے پانی پر افطار کرلیتا ہے اور بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لیے جو گائے اور بیل کی طرح مختلف مزے دار کھانے کھانے کے لیے اپنی زبان گھماتے ہیں اور اپنے خادم سے کہتے ہیں، فلاں چیز اٹھائے اور فلاں چیز رکھ دے اور کھانے میں ایسے لگتے ہیں کہ اللہ کا ذکر بالکل نہیں کرتے۔''

o

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا ایک آدمی سے کوئی جھگڑا ہوگیا۔ اس آدمی نے آپ کے ساتھ حقارت آمیز سلوک کیا۔ وہ دور تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا۔ آپ کو جب اس بات کا پتا چلا تو اس شخص کو بلوالیا اور اس کی پٹائی کرائی۔ کسی نے اس بات پر اعتراض کیا، یعنی یہ اعتراض کیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس شخص کی پٹائی نہیں کروانی چاہیے تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس اعتراض کرنے والے سے کہا:

''یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے چچا کی تعظیم فرمائیں اور میں ان کی توہین کرنے کی اجازت دے دوں۔ اس شخص کی اس گستاخی کو جو آدمی اچھا سمجھ رہا ہے، وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر رہا ہے۔''

چنانچہ اس واقعے کے بعد آپ نے قانون بنادیا کہ ایسے شخص کی پٹائی کی جائے گی۔

o

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ صحابہ کرام آپ کے چاروں طرف بیٹھے تھے۔ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے۔ انھوں نے آ کر سلام کیا اور کھڑے اپنے لیے بیٹھنے کی جگہ دیکھنے لگے۔ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کے چہروں کو دیکھنے لگے کہ کون انھیں جگہ دیتا ہے۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف بیٹھے تھے۔ انھوں نے اپنی جگہ سے سرک کر فرمایا:

''اے ابوالحسن! یہاں آجاؤ۔''

اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے آگئے اور اس جگہ، یعنی حضرت ابوبکر صدیق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بیٹھ گئے۔ اس وقت صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار صاف دیکھے۔ پھر آپ نے فرمایا:

''فضیلت والے کے مقام کو فضیلت والا ہی جانتا ہے۔''

o

بارش

بارش نہیں ہو رہی تھی۔ لوگ بہت پریشان تھے۔ ایک عالمِ دین نے اعلان کر دیا کہ نمازِ استسقاء ادا کی جائے گی۔ (یعنی بارش کی نماز پڑھائی جائے گی) یہ نماز شہر سے باہر نکل کر ادا کی جاتی ہے۔

ان عالم سے حضرت میاں سید اصغر حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ کو بعض سیاسی مسائل میں اختلاف تھا۔ آپ ان اختلافات کا ذکر اعلانیہ فرماتے رہتے تھے، لیکن اس کے باوجود ان کی شان میں کوئی نامناسب کلمہ کبھی ادا نہیں کیا تھا۔

ان کا بارش کی نماز کے لیے اعلان سن کر حضرت شاہ صاحب نے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے فرمایا:

"میاں بارش تو ہونی نہیں، لیکن نماز کا ثواب حاصل کرنے کے لیے چلنا ضروری ہے۔"

غالباً شاہ صاحب کو کشف کے ذریعے علم ہو چکا تھا کہ بارش نہیں ہو گی، پھر بھی نماز کے لیے چلے گئے۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ بھی ساتھ گئے۔ ان عالم نے نماز پڑھائی۔ بارش کو نہ ہونا تھا نہ ہوئی۔ ان بزرگ نے دوسرے دن کے لیے بھی اعلان کرا دیا۔ حضرت سید اصغر حسین شاہ صاحب نے اس روز بھی حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ سے وہی الفاظ کہے:

"میاں! بارش تو ہونی نہیں، لیکن نماز کا ثواب تو مل جائے گا۔ چلنا ضروری ہے۔"

چنانچہ دوسرے دن بھی آپ گئے، مفتی صاحب بھی ساتھ گئے۔ ان عالم نے نماز پڑھائی، لیکن بارش نہ ہوئی۔

تیسرے دن پھر ان عالم نے اعلان کرا دیا۔ شاہ صاحب تیسرے دن بھی پہنچ گئے، لیکن اس روز آپ نے ان عالم سے کہا:

"اگر آپ اجازت دیں تو میں نماز پڑھا دوں۔"

یہ سن کر سب بہت حیران ہوئے۔ خود مفتی صاحب کا تو مارے حیرت کے برا حال ہو گیا، کیونکہ تیسرے روز بھی شاہ صاحب نے یہی فرمایا تھا:

"میاں! بارش تو ہونی نہیں، نماز کا ثواب مل جائے گا۔"

اب یہاں آ کر وہ فرما رہے تھے کہ اگر آپ اجازت دیں تو نماز میں پڑھا دوں۔ دوسرے یہ کہ شاہ صاحب تو لوگوں کے اصرار کے باوجود پانچ وقتہ نماز نہیں پڑھاتے تھے۔ آج خود نماز پڑھانے کے لیے کہہ رہے تھے۔

ان عالم نے اجازت دے دی، آپ نے نماز شروع کی۔ اب سید اصغر حسین شاہ صاحب کے عقیدت یہ خیال کر چکے تھے کہ آج بارش ضرور ہو جائے گی۔ شاید میاں صاحب نے کشف کے ذریعے معلوم کر کے نماز پڑھانے کا فیصلہ کیا ہو گا۔ نماز ادا کی گئی، لیکن بارش نہ ہوئی۔ سب لوگ غمگین حالت میں واپس لوٹے۔ اس وقت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے شاہ صاحب سے حیران ہو کر پوچھا:

"آپ تو کبھی پنج گانہ نماز میں امامت نہیں فرماتے۔ پھر آج آپ نے ایسا کیوں کیا، حالانکہ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ بارش نہیں ہو گی۔"

سید اصغر حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ نے جواب میں فرمایا:

"میرا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ جو عالمِ دین دو روز سے نماز پڑھا رہے تھے، لوگ ان سے بدگمان نہ ہو جائیں، کیونکہ میرے نماز پڑھانے سے بھی بارش نہیں ہوئی اور مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ بارش ہونا اس وقت مقدر میں نہیں ہے۔ کسی عالم کا اس میں کیا قصور۔ اب اگر بدنامی ہوتی ہے تو کسی ایک عالم کی نہ ہو۔"

کوفے کے محلے رَحبہ میں ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئی۔ انھوں نے کہا:

"السلام علیک یا مولانا۔" (اے ہمارے آقا)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"تم لوگ تو عرب ہو، میں تمہارا آقا کیسے ہو سکتا ہوں۔"

انھوں نے جواب میں کہا:

"ہم نے ایک موقعے پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں جس کا آقا اور دوست ہوں، یہ علی بھی اس کے آقا اور دوست ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے آقا ہیں، لہٰذا آپ بھی ہمارے آقا ہوئے۔"

جب یہ لوگ وہاں سے چلے تو حضرت رباح ان کے پیچھے گئے۔ وہ جاننا چاہتے تھے، یہ کون لوگ ہیں، معلوم ہوا، وہ انصار کے کچھ لوگ تھے۔ ان میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

○

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا۔ اس میں حضرت بُریدہ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اس لشکر کا امیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بنایا۔ جب یہ لشکر واپس آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات سے پوچھا:

"تم نے اپنے امیر کو کیسا پایا۔"

اس پر کسی نے حضرت علی رضی اللہ کی شکایت کر دی، اس وقت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا تو آپ کا چہرۂ انور غصے کی وجہ سے سرخ ہو چکا تھا اور آپ فرما رہے تھے:

"میں جس کا دوست ہوں، علی بھی اس کے دوست ہیں۔"

اس پر شکایت لگانے والے نے کہا:

"آیندہ میں کبھی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت لگا کر آپ کو تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔"

ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

"جس نے علی کو اذیت پہنچائی، اس نے مجھے اذیت پہنچائی۔"

○

ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر برائی سے کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"تم اس قبر والے کو جانتے ہو۔ یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے چچا زاد بھائی ہیں۔ ہمیشہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر خیر کے ساتھ کیا کرو، کیونکہ اگر تم انھیں تکلیف پہنچاؤ گے تو اس ذاتِ اقدس کو قبر میں تکلیف پہنچاؤ گے۔" (جاری ہے)

تصویر کی دھمکی

11

اشتیاق احمد

اس کے ساتھ ہی وہ خود بھی بیرونی دروازے کی طرف دوڑ پڑے، تاکہ نقاب پوش کو نکلنے نہ دیں... تیز دوڑتے ہوئے وہ پھاٹک تک پہنچ گئے... انھوں نے باہر نکل کر دیکھا، لیکن دور دور تک کوئی نظر نہ آیا... پھر وہ واپس پلٹے تو اندر سے کوٹھی کے افراد کو آتے دیکھا... ان میں سردار ہارون بھی تھے... اُن کی بیگم بھی، گھر کے ملازم بھی اور دوسرے لوگ بھی... نہیں تھا تو نقاب پوش...

''کک... کیا وہ نکل گیا؟'' سردار ہارون ہکلائے۔

''ہم نے تو اُسے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

''تب پھر وہ کہاں گیا؟'' سردار ہارون بولے۔

''کہیں وہ کوٹھی میں ہی نہ چھپا ہو؟'' رئیسانی نے خیال ظاہر کیا۔

''ہاں، اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے، آیئے اسے تلاش کریں۔'' انسپکٹر کامران مرزا بولے۔

اور پھر دروازے پر پولیس کے کانسٹیبلوں کو چوکس کھڑا رہنے کی ہدایت کرنے کے بعد انھوں نے کوٹھی کی تلاشی شروع کردی، لیکن نقاب پوش کہیں نہ ملا...

''ابا جان، ہم نے چھت نہیں دیکھی۔'' آصف نے خیال دلایا۔

''ٹھیک، چھت بھی دیکھ لینی چاہیے۔''

وہ چھت پر پہنچے... چھت پر بھی کوئی نہیں تھا، لیکن کوٹھی کی پچھلی دیوار سے انھیں نائیلون کی رسی کی ایک سیڑھی لٹکی نظر آئی... سیڑھی لوہے کے ایک ہک میں اٹکی ہوئی تھی... شاید یہ ہک سیڑھی کے لیے ہی ٹھوکا گیا تھا...

''لیجیے جناب، شابو صاحب اس سیڑھی کے ذریعے اُترے ہیں۔'' انسپکٹر کامران نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''اب ہم کیا کریں؟'' سردار ہارون نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''کرنا کیا ہے، انوار صدیقی صاحب کو فون کر کے یہاں بلوایئے۔ انھیں سارے حالات سنایئے، پھر جو وہ کہیں، اس پر عمل کیجیے۔'' انھوں نے ٹھہر ٹھہر کر کہا۔

''ہوں، یہی کرنا ہوگا، کیا آپ عین اسی وقت کھڑکی پر پہنچے تھے، جب نقاب پوش مجھ پر فائر کرنے والا تھا؟'' سردار ہارون نے سوال کیا۔

''اس سے ذرا پہلے۔'' انسپکٹر کامران مرزا نے اس کے سوال کا مطلب سمجھتے ہوئے کہا۔ غالباً وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ انھوں نے اس کی اور نقاب پوش کی گفتگو سنی ہے یا نہیں۔

وہ چھت سے نیچے اُتر آئے... پھر انوار صدیقی کو فون کیا گیا... وہ گہری نیند کے مزے لے رہا تھا... مسلسل بجنے والی گھنٹی نے آخر اُسے اُٹھنے پر مجبور کر دیا... اس نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''کیا بات ہے، رات کے ایک بجے کسی کو کیا مصیبت پیش آگئی ہے۔''

''جی، یہ میں ہوں سردار ہارون، یہاں ایک خاص واقعہ پیش آگیا ہے۔ مہربانی فرما کر آپ تشریف لے آیئے۔''

''اچھا۔'' اس نے نرم آواز میں کہا، اور پھر ریسیور رکھ دیا۔

پندرہ منٹ کے بعد وہ سب لوگوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں موجود تھا اور اس کی نظریں انسپکٹر کامران مرزا پر جمی تھیں...

''مجھے حیرت ہے، آخر آپ رات کے بارہ بجے سردار صاحب کی کھڑکی کے پاس کیا کر رہے تھے؟''

''مجھے اور میرے بچوں کو بھی سردار صاحب کا فکر کھائے جا رہا تھا، ہمیں ڈر تھا کہ کہیں شابو دوسرا وار نہ کر بیٹھے، اس خیال سے ہم ادھر چلے آئے تھے اور خیریت معلوم کرنے کے لیے سردار صاحب کی کھڑکی تک چلے آئے تھے... لیکن یہاں اور ہی منظر نظر آیا... اس کی تفصیل سردار صاحب آپ کو بتا ہی چکے ہیں۔''

''یہ بات میرے حلق سے نہیں اُترتی کہ آپ سردار صاحب کی حفاظت کی غرض سے رات کے بارہ بجے اپنے ہوٹل سے یہاں چلے آئے۔''

''دیکھیے جناب، آپ کے حلق سے اُترنے کی ذمے داری تو ہم لے نہیں سکتے۔'' آفتاب بول پڑا۔

''خاموش رہو، جب بڑے بات کر رہے ہوں تو چھوٹے ٹانگ نہیں اڑایا کرتے۔'' آصف نے برا سا منہ بنایا۔

''بہت بہتر، اب میں ٹانگ نہیں اڑاؤں گا۔'' آفتاب مسکرایا۔

''آپ کے حلق سے اُترے یا نہ اُترے، حقیقت یہی ہے۔''

''اور پھر آپ نے نقاب پوش کے پستول پر فائر بھی کیا تھا... یہ تو ایک اتفاق تھا کہ گولی اس کے پستول پر لگی، اگر شابو کے ہاتھ پر لگی ہوتی تو اس وقت آپ کہاں ہوتے... کیا آپ کے پاس پستول کا لائسنس ہے؟''

''ہاں میرے پاس لائسنس ہے... دوسری بات یہ کہ اگر گولی نقاب پوش کے پستول کی بجائے اس کے بازو پر بھی لگ جاتی تو اس سے کوئی فرق نہ پڑتا... کیونکہ وہ بھی تو سردار ہارون پر گولی چلانے والا تھا۔''

''مہربانی فرما کر اپنا لائسنس دکھایئے۔''

''ہوٹل کے کمرے میں، میرے سوٹ کیس میں موجود ہے... میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گا اور

دینی وعصری تعلیمی اداروں کے لیے خالصتاً اسلامی بنیادوں پر
نصابی کتب شائع کرنے والا واحد اشاعتی ادارہ

اقرأ پبلیکیشنز (رجسٹرڈ)

پسند فرمودہ: خطیب حرم حضرت مولانا محمد مکی صاحب الحجازی (مسجد حرام مکہ مکرمہ)

زیر نگرانی: **محمد جمیل رحمانی** (صدر مؤسس اقرأ تحریک المدارس پاکستان)

اقرأ پبلی کیشنز کا مکمل نصاب اختیار کرنے والے اداروں کو سہ ماہی سلیبس اور (پرنٹڈ) امتحانی پرچہ جات بھی فراہم کیے جاتے ہیں۔ نیز زیر تعلیم طلبہ میں سے 5 فی صد مستحق طلبہ کے لیے کاپی، کتابیں اور یونیفارم وغیرہ **مفت** فراہم کی جاتی ہیں۔

اقرأ پبلی کیشنز کی مطبوعات کے لیے اچھی شہرت کے حامل اسٹاکسٹ بھی رابطہ کر سکتے ہیں

اقرأ روضۃ الاطفال اکیڈمی (نزد کمیٹی چوک) مری روڈ راولپنڈی

اسلامی نظام تعلیم کا ملک بھر میں سب سے وسیع مربوط نیٹ ورک

اقرأ اسکولز موومنٹ (رجسٹرڈ)

اپنے علاقوں میں اسلامی طرز کے اسکول کھولئے اور باوقار ذریعہ معاش کے ساتھ ساتھ اسلامی نظام تعلیم کو فروغ دیجئے. معلومات اور مکمل رہنمائی (فرنچائزڈ) کے لیے رابطہ کریں.

0301-5373303, 0300-5511471

اصلی ''اقرأ'' کی پہچان

نام بھی اقرأ — یونیفارم بھی اقرأ — نظام بھی اقرأ — نصاب بھی اقرأ

لائسنس دکھا دوں گا۔"

"لیکن لائسنس تو آپ کے پاس ہونا چاہیے۔" انوار صدیقی نے اعتراض کیا۔

"آیندہ خیال رکھوں گا، ویسے اگر آپ اپنا اطمینان کرنا چاہیں تو میں کسی سے فون پر ضمانت دلا دیتا ہوں۔"

"آپ یہ بات پہلے بھی کہہ چکے ہیں، کیا رات کے بارہ بجے کے قریب بھی آپ کسی کو فون کے لیے جگا سکتے ہیں؟"

"جی ہاں، کیوں نہیں؟" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے۔

"مجھے خوشی ہوگی۔" اس نے فون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ شاید وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں یہ شخص ڈینگیں تو نہیں مار رہا۔ ادھر انسپکٹر کامران مرزا بھی یہی چاہتے تھے کہ وہ ان کے چکر میں نہ پڑے، تاکہ وہ آسانی سے اس کیس پر کام کر سکیں، چنانچہ انھوں نے قصبہ بلوشاں میں اپنے سب سے اچھے دوست کے نمبر ڈائل کیے۔ تقریباً ایک منٹ بعد جھلائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

"میں ہوں بھئی کامران۔" انھوں نے جان بوجھ کر پورا نام لینے سے پرہیز کرتے ہوئے کہا۔

"کامران، کامران مرزا یہ تم ہو ... بندۂ خدا کہاں سے بول رہے ہو؟"

"یہیں سے ... ایک چکر میں اُلجھ گیا ہوں ... یہاں کے ڈی ایس پی میرے بارے میں ذرا اطمینان چاہتے ہیں، لہٰذا ضرورت ہے ضمانت کی۔"

"کیا انوار صدیقی اس وقت تمہارے پاس ہے؟"

"جی ہاں۔"

"ٹھیک ہے فون اسے دے دو، لیکن نہیں ٹھہرو ... پہلے یہ بتاؤ ... یہاں کب پہنچے تھے؟"

"ایک دن سے زائد نہیں ہوا۔" وہ بولے۔

"تو سیدھے میرے پاس کیوں نہیں آئے؟"

"کام ہی کچھ ایسا تھا، فارغ ہو لوں تو آؤں گا۔"

"دیکھو، وعدہ خلافی نہ ہو۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"پہلے کبھی وعدہ خلافی کی ہے جو اب کروں گا۔" انسپکٹر کامران مرزا مسکرائے اور پھر ریسیور انوار صدیقی کو دے دیا۔ وہ حیران سا تھا۔ ریسیور میں بولا:

"ہیلو، میں انوار صدیقی ہوں، آپ کون صاحب ہیں؟"

"بھئی مجھے اعزاز احمد چیمہ کہتے ہیں۔"

"چیمہ صاحب، یہ آپ ہیں۔" انوار صدیقی حیران رہ گیا۔ اعزاز چیمہ صاحب قصبہ بلوشاں کے ڈپٹی کمشنر تھے۔

"ہاں، کامران بہت نائس آدمی ہیں ... ان کی ذات پر کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔"

"بہت بہتر جناب، آپ مطمئن رہیں۔ ان سے کسی قسم کی پوچھ گچھ نہیں کی جائے گی۔"

"بلکہ انھیں مدد کی ضرورت ہو تو ہر طرح ان کی مدد کی جائے۔"

"ضرور جناب، ایسا ہی ہوگا۔"

دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا ... انوار صدیقی نے بھی ریسیور رکھا اور حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر انھیں دیکھنے لگا ... پھر اس طرح بولا، جیسے کوئی خواب میں بول رہا ہو ...

"آپ، آپ کون ہیں جناب، میں آپ کو دیکھ کر پہلے بھی حیران ہوا تھا ... آپ کی صورت دیکھ کر مجھے بھی یہ احساس ہوا تھا کہ آپ کو کہیں دیکھا ہے۔"

"میں نے آپ کی بات کا جواب بھی دیا تھا، یہ کہ میں دارالحکومت میں رہتا ہوں، آپ بھی وہاں اکثر جاتے رہتے ہیں، بس وہیں کہیں دیکھ لیا ہوگا۔" انھوں نے گول مول جواب دیا۔

"خیر، میں سمجھ گیا ... آپ مجھے اپنے بارے میں بتانا نہیں چاہتے۔"

"اب آپ نے کیا سوچا ہے موجودہ کیس کے بارے میں؟" انسپکٹر کامران مرزا موضوع کو بدلنے کے لیے بولے۔

"میں جان گیا، سمجھ گیا ... آپ ضرور انسپکٹر کامران مرزا ہیں۔" اس نے کپکپاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیا؟" سردار ہارون کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

"ہاں، مجھے اب یاد آ گیا، میں نے بارہا ان کی تصویر اخبار میں دیکھی ہے ... کیوں جناب، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔"

"خیر، یونہی سہی ... اگر آپ نے مجھے پہچان ہی لیا ہے تو یونہی سہی۔" انسپکٹر کامران مرزا بے چارگی کے عالم میں مسکرائے۔ ان کا مصنوعی حل ناکام ہو گیا تھا۔ ادھر سردار ہارون اور دوسروں کا بُرا حال تھا۔

"اُف خدا، آپ نے ہمیں پہلے کیوں نہیں بتایا ... ہم آپ سے کتنا روکھا سلوک کرتے رہے۔" انوار صدیقی نے شرمسار لہجے میں کہا۔

"دراصل میں چاہتا تھا کہ اپنا نام ظاہر کیے بغیر اس معاملے کی تہہ تک پہنچوں ... سردار صاحب، میں آپ کی اور نقاب پوش کی گفتگو مکمل سن چکا ہوں ... مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ آپ کی تجوری میں واقعی کوئی تصویروں والا لفافہ موجود ہے ... مہربانی فرما کر اب اس لفافے کو نکالیے اور ہمیں بتائیے کہ یہ کیا راز ہے، کیا چکر ہے ... یہ شابو کون ہے؟ جو آپ سے لفافہ ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہے ... یہاں تک کہ وہ آپ کی جان لینے کے درپے تھا ... آپ کو دس لاکھ روپیہ دینے پر بھی تیار تھا اور آپ اس سے اس لفافے کے ایک کروڑ روپے مانگ رہے تھے۔" انسپکٹر کامران مرزا روانی کے عالم میں کہتے چلے گئے۔

انوار صدیقی اور دوسروں کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی چلی گئیں ... ایک کروڑ سن کر تو ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے ... سینوں میں سانس اٹک کر رہ گئے ... (جاری ہے)

ذرا آواز دینا

بنت شکیل اختر۔ حیدر آباد

ایک زور دار آواز کے ساتھ گیند ذکیہ بیگم کے گھر کے دروازے سے ٹکرائی۔ ذکیہ بیگم جو نماز میں مشغول تھیں، ان کی توجہ بری طرح بکھر گئی۔ صبح سے نجانے کتنی بار گیند ان کے دروازے سے ٹکرا چکی تھی۔ بلے کی کھٹ کھٹ اور بچوں کے شور سے سر میں درد ہونے لگا تھا مگر انھوں نے خاموشی سے اپنی توجہ دوبارہ نماز کی طرف کر لی۔

جب سے گرمیوں کی چھٹیاں ہوئی تھیں، معاذ، منیب، عمران، فرخ، خاور، خرم اور دیگر بچوں نے مل کر سارے محلے کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ صبح دس بجے سے جو کرکٹ شروع ہوتی، تو شام تک جاری رہتی۔

ہر کسی کا گزرنا وبال بن کر رہ گیا تھا۔ کل ہی کی بات ہے ایک ریڑھی والا اپنی ریڑھی پر سموسے سجائے ''سموسے گرما گرم سموسے'' کی آوازیں لگاتا محلے میں آیا تو معاذ اور منیب نے اس کے ٹھیلے کے اوپر سے ایک دوسرے کی طرف گیند پھینکنی شروع کر دی۔

''بیٹا مت کرو بیٹا! اگر گیند میرے ٹھیلے پر گر گئی تو سموسے خراب ہو جائیں گے۔'' منیب اور معاذ کے چہروں پر اس جملے نے مسکراہٹ بکھیر دی اور انھوں نے کھیل بدستور جاری رکھا۔

''تم لوگ سنتے نہیں ہو! میں تم سے کیا کہہ رہا ہوں۔''

اب کی بار سموسے والے کی آواز پہلے سے بلند تھی۔

''میں تم لوگوں کی شکایت کروں گا۔''

''شکایت چھوڑیں انکل! آپ یہاں آیا ہی نہ کریں۔'' معاذ اور منیب نے ہنستے ہوئے کہا۔

O

خاور نے ایک شارٹ لگایا اور قریب کھڑے خرم کو آنکھ ماری تو خرم شرارت سے ہنس دیا۔ گیند سیدھی روشن خالہ کے چھوٹے سے پوتے کے پیٹ میں لگی اور وہ گلا پھاڑ کر رونے لگا۔

وہ چھوٹا بچہ دراصل اپنے گھر کے باہر بیٹھ کر کرکٹ دیکھ رہا تھا۔

''ارے شرم نہیں آتی تم لوگوں کو، بچے کو اس بری طرح گیند ماری ہے، نیلا پڑ گیا ہے وہ تکلیف سے! ارے! ارے! کیسے دانت نکال رہے ہو! تمیز نہیں ہے تمھیں بڑوں کا ادب نہیں ہے۔'' روشن خالہ نے غصے سے ہاتھ چلا چلا کر کہا مگر بچے ان کے اردگرد دائرے کی صورت میں جمع ہو کر مختلف آوازیں نکال رہے تھے۔ روشن خالہ نے یہ رویہ دیکھا تو ان کا پارہ چڑھ گیا۔ انھوں نے غصے سے پتھر اٹھایا اور بچوں کے پیچھے لپکیں مگر وہ کہاں ہاتھ آنے والے تھے۔

تھوڑی دیر بعد منیب نے جھانک کر دیکھا تو روشن خالہ جا چکی تھیں۔

''آجاؤ سب! گیا عذاب الٰہی۔'' اس نے زور سے کہا تو کھدروں میں دبکے سارے بچے باہر آ گئے۔

''بری بات ہے، بیٹا کچھ بھی ہے روشن خالہ آپ لوگوں کی دادی جیسی ہیں۔ ان کا دل نہیں دکھانا چاہیے۔'' ذکیہ بیگم نے بچوں سے کہا۔

''چلو بھئی! جلدی سے کھیل شروع کرو، ٹیوشن کا ٹائم ہونے والا ہے۔''

ذکیہ بیگم نے اپنی بات یوں بے کار جاتی دیکھی تو دکھ بھرے انداز سے سر ہلا کر رہ گئیں۔

پھر جب تک چھٹیاں رہیں، یہی حرکتیں جاری رہیں۔

کبھی گیند اڑتی ہوئی پپو کے صحن میں جا گرتی۔ اس کے ابو گول گپے بیچتے تھے۔ گول گپوں کا ستیاناس ہو جاتا اور پپو کے ابو گلی میں شور مچا دیتے۔

عبدالکریم بھائی اپنی دکان سے سارے تماشے کو دیکھتے رہتے۔ کبھی گیند ان کی دکان میں آ کر گرتی تو وہ گیند واپس کرنے سے انکار کر دیتے اور بچے ان پر آوازیں کسنے لگتے، ''گنجے گنجے!'' وہ کئی بار خاور منیب عمران وغیرہ کے والدین سے شکایت کر کے آئے مگر جب انھوں نے خاور اور منیب کے ابو کے چہرے پر بھی دبی دبی مسکراہٹ دیکھی تو واپس آ گئے۔ اب کوئی بھی انھیں کچھ نہ کہتا مگر سارے محلے کے دل میں ان بچوں کے لیے غصہ تھا۔

O

ساٹھ سال گزر چکے تھے۔ خرم کی عمر ستر سال ہو چکی تھی۔ بچپن کی یادیں عرصہ ہوا دھندلا چکی تھیں۔ سارے ہی دوست یار خواب ہو چکے تھے۔

اسے صرف معاذ کے بارے میں علم تھا کہ وہ ملک سے باہر ایک اولڈ ہاؤس میں معذوری کی زندگی گزار رہا ہے۔ عمر کی زیادتی کی وجہ سے خرم کو نیند کم ہی آتی تھی۔ نیند کی گولیاں کھا کر بڑی مشکل سے اس کی آنکھ لگی تھی کہ ایک چھناکے کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی۔

''میں نے منع کیا تھا۔ سفید جن کے کمرے میں فٹ بال نہیں جانا چاہیے۔'' اس نے اپنے بڑے پوتے کی آواز سنی تو کرب سے آنکھیں بند کر لیں۔

''بھائی اب کیا کریں۔ ایک سفید جن ابھی تو سویا تھا۔ اب اتنی باتیں سنائے گا، امی، ابو سے الگ شکایت کرے گا۔'' چھوٹے پوتے نے تشویش سے کہا۔

''میں جا کر لے آتا ہوں۔ امی ابو تمھیں پتا ہے کچھ نہیں کہیں گے۔ امی نے خود ہی کہا ہے۔ باہر حالات ٹھیک نہیں، اس لیے گھر میں کھیلو۔'' بڑے پوتے نے کہا اور خاموشی سے گیند اٹھانے چلا گیا۔

نیند کے ٹوٹنے سے خرم کا سر چکرا رہا تھا مگر باہر بچوں کے

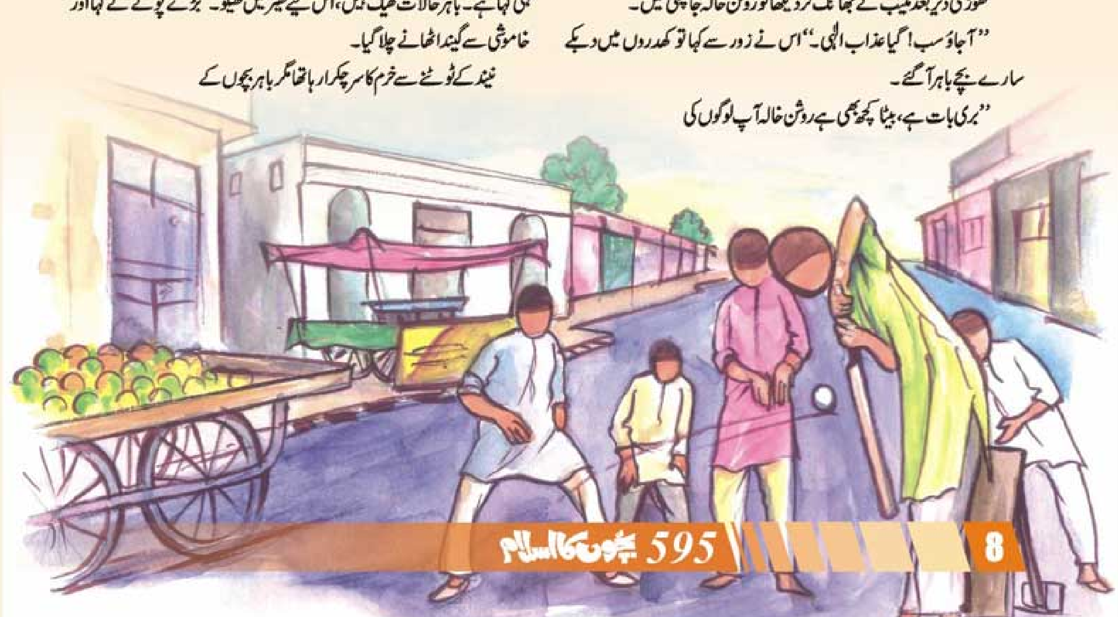

1974 کی قومی اسمبلی کی مختصر رپورٹ

مولانا اللہ وسایا۔ملتان

29 مئی 1974 کو چناب نگر ریلوے اسٹیشن پر قادیانیوں نے نشتر میڈیکل کالج کے طلباء پر قاتلانہ حملہ کیا... ان کی سرپرستی مرزا طاہر کر رہا تھا... طلبا کو لہولہان کر دیا گیا... اس پر پورے ملک میں آگ لگ گئی... مرزائیوں کے خلاف تحریک چلی... تحریک ملک کے چپے چپے پر پھیل گئی یہاں تک کہ اس وقت کے پاکستان کے وزیرِ اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا کہ قادیانی مسئلے کو قومی اسمبلی میں فیصلے کے لیے پیش کریں گے... اور قومی اسمبلی کے اراکین جو فیصلہ کریں گے، وہ سب کے لیے قابلِ قبول ہوگا... جونہی یہ اعلان ہوا، قادیانیوں نے مطالبہ کیا کہ اگر ہمارے بارے میں، ہمارے عقائد پر بحث ہوتی ہے تو اس بحث میں ہمیں بھی شریک کیا جائے... اس پر انھیں اسمبلی میں اپنا مؤقف پیش کرنے کی اجازت دے دی گئی...

اس وقت قومی اسمبلی کے سپیکر جناب صاحب زادہ فاروق علی خان تھے۔ وہ قومی اسمبلی کی اس خصوصی کمیٹی کے چیئرمین قرار پائے۔ ان کی زیرِ صدارت تقریباً ایک ماہ تک وقفے وقفے سے اجلاس ہوئے۔

قادیانی جماعت کے تیسرے خلیفہ مرزا ناصر احمد اور مرزائیوں کے لاہوری گروپ کے بڑے صدر الدین لاہوری، مسعود بیگ لاہوری اور عبدالمنان لاہوری پیش ہوئے۔

اس وقت پاکستان کے اٹارنی جنرل جناب یحیٰی بختیار تھے۔ طے پایا کہ تمام اراکین قادیانی کے سربراہوں سے سوالات کر سکتے ہیں، لیکن وہ تمام سوالات اٹارنی جنرل کے ذریعے ہوں گے۔

5 اگست 1974ء کو یہ بحث شروع ہوئی۔ 13 دن تک قادیانی سربراہوں پر جرح ہوئی۔ قادیانی گروپ کے مرزا ناصر احمد نے قومی اسمبلی کی اس خصوصی کمیٹی میں اپنا بیان پڑھا۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نے راولپنڈی میں ڈیرہ جما لیا۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کو مذہبی اور مولانا سمیع الحق صاحب کو سیاسی بحث لکھنے کے لیے بلا لیا گیا۔ ان کی مدد کے لیے فاتح قادیان مولانا محمد حیات صاحب اور مولانا محمد عبدالرحیم اشعر رحمہ اللہ کو مقرر کیا گیا۔ حوالہ جات مہیا کرنے کا کام حضرت مولانا تاج محمود اور حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمہ اللہ کے ذمے لگایا گیا۔ اسمبلی میں مولانا مفتی محمود، مولانا شاہ احمد نورانی، چوہدری ظہور الٰہی اور پروفیسر غفور احمد شریک رہے۔

دن بھر کی کارروائی کے بعد یہ سب حضرات رات کو حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ کی خدمت میں آجاتے۔ اس موقعے پر حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ اپنے کاتب شاگردوں کی ٹیم کے ساتھ راولپنڈی تشریف لے آئے تھے۔ ساری کارروائی کی کتابت کا کام یہ حضرات کرتے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے ابتدائی بیان حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ نے 29 اگست کو پڑھا اور 30 اگست کو مکمل فرمایا۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ نے اپنا محضر نامہ 30 اگست کے اجلاس کے آخر میں پڑھا جو 31 اگست کے اجلاس میں مکمل ہوا۔

3 ستمبر کے اجلاس میں باقی تمام شرکا نے قادیانی مسئلے پر اظہار خیال فرمایا، اس کے بعد مرزا ناصر وغیرہ پر جرح شروع ہوئی۔ جرح 13 دن تک ہوئی اور آخر 7 ستمبر 1974 کو اسمبلی نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ مرزائیوں کو اسمبلی نے غیر مسلم قرار دے دیا، لیکن اس ساری کارروائی کو سیل کر دیا گیا۔ اسی بنیاد پر مرزائیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ یہ کارروائی منظرِ عام پر آجائے تو آدھا پاکستان مرزائی ہو جائے۔ اللہ کا شکر ہے آج 38 سال بعد یہ کارروائی منظرِ عام پر آچکی ہے اور قادیانیوں کا دعویٰ ڈھول کا پول ثابت ہو چکا ہے۔

شور میں کسی طرح کمی نہیں آرہی تھی۔ اچانک اس کی کمر پر کوئی چیز لگی تو وہ زور سے چیخ اٹھا۔

''دادا جی! کارٹون کی کمر پر بھی زور سے کتاب لگتی ہے مگر اُسے تو کچھ نہیں ہوتا۔''

یہ اس کی چھ سالہ پوتی تھی۔

''تم پاگل! بے وقوف تمھیں کچھ احساس نہیں! میں کارٹون ہوں؟'' خرم پاگلوں کی طرح لاٹھی لے کر ان کے پیچھے بھاگا تو کسی نے اس کے کاندھے پر پیچھے سے ہاتھ رکھا۔

''ر... ر... روشن خالہ۔'' خرم کے منہ سے نکلا۔

''تم لوگ بھی تو میرے ساتھ ایسا ہی کرتے تھے نا۔''

''اور میرے ساتھ بھی۔'' دائیں طرف سے عبدالکریم بھائی آئے۔

''مجھے بھی اپنے گول گپوں کے ٹوٹنے کا ایسا ہی دکھ ہوتا تھا جیسا آج تمھیں اپنی عینک ٹوٹنے کا۔'' بائیں کان میں پپو کے ابو بول رہے تھے۔

''انکل میرے پیٹ میں گیند لگتی تھی تو مجھے ایسے ہی تکلیف ہوتی تھی جیسے آپ کی کمر دکھ رہی ہے۔'' روشن خالہ کا پوتا اس کے قدموں سے لپٹا تھا۔

''خرم بیٹا! میں نے تمھیں کتنا سمجھایا تھا۔'' چوکھٹ میں ذکیہ بیگم کھڑی تھیں۔

''مجھے معاف کر دیں! خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں، میرے ساتھ یہی ہونا چاہیے تھا۔ میں اسی قابل ہوں۔'' خرم کانوں پر ہاتھ رکھ کر زور زور سے کہہ رہا تھا۔

روتے روتے اچانک وہ چکرا کر گرا تھا۔

o

''ابو آپ کو میری آواز آرہی ہے نا، ابو آنکھیں کھولیں پلیز۔'' خرم کو زور سے اپنے بیٹے انس کی آواز سنائی دی۔

''دادا ابو! جاگ جائیں نا! ہم آیندہ کبھی آپ کو تنگ نہیں کریں گے۔'' بڑا پوتا کہہ رہا تھا۔ خرم نے مُندی مُندی آنکھیں کھولیں۔

''شدید ذہنی تناؤ کے باعث ایسا ہوا ہے، بہرحال اب ان کی طبیعت بہتر ہے۔ ان کے آرام کا خیال رکھیں۔'' ڈاکٹر نے خرم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

خرم نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں تو اُسے اپنی بہو اور بیٹے کے چہرے پر بچی ندامت نظر آئی۔ بچے الگ مرجھائے ہوئے سے تھے۔ اس نے اپنی بانہیں کھولیں تو بچے بھاگتے ہوئے آکر اس سے لپٹ گئے۔

''دادا جی! آپ کس سے معافی مانگ رہے تھے۔'' اس کی پوتی نے معصومیت سے کہا۔

''بتاؤں گا میری بیٹی ضرور بتاؤں گا، میں اپنے بچوں کو اپنی کہانی ضرور سناؤں گا، تاکہ تم لوگ پچھتاوے کی اس آگ میں نہ جلو جس میں، میں عرصے سے جل رہا ہوں۔'' خرم نے لرزتے ہوئے لہجے میں کہا اور بچوں کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگا۔

بقیہ: بوڑھا بیٹا

''میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ'' خالدہ بیگم کی آواز آئی تو وہ دونوں چونکے۔ وہ ساری بات سن چکی تھیں۔

اشفاق کے کام پر جانے کے بعد وہ تینوں اس مہم پر روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے، انہوں نے خستہ حال گھر کے دروازے پر دستک دی۔ پہلی دستک پر کوئی نہ آیا۔ شاہد نے ذرا زور سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ تب ایک نوجوان نے آ کر دروازہ کھولا۔

''کون؟'' اس نے پوچھا۔

''وہ ہمیں اشفاق صاحب سے ملنا ہے۔'' شاہد نے جان بوجھ کر اشفاق کا نام لیا۔

''اشفاق چچا؟ وہ تو یہاں نہیں رہتے، یہاں ان کے بڑے بھائی اسحاق رہتے ہیں،'' نوجوان کے چہرے پر اداسی تھی۔

''اسحاق... ؟ وہ کہاں سے آ گیا؟'' خالدہ بیگم کے منہ سے نکلا اور چہرے پر غصے کے آثار نظر آنے لگے۔

''یہ کیا ماجرا ہے امی؟'' نادیہ نے پوچھا۔

''چلو واپس چلو'' انھوں نے نادیہ کا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا۔

''کیا ہوا امی! کیا ہوا؟'' نادیہ حیران پریشان سی ہوگئی۔

وہاں تو وہ کچھ نہ بولیں مگر گھر آ کر انہوں نے نادیہ کو بتایا کہ اسحاق ان کا بڑا بیٹا ہے۔ آج سے بیس سال قبل بری صحبت میں پڑ کر جوا کھیلنے لگا تھا۔ وہ گھر سے سامان اور روپیہ چرا کر لے جاتا تھا جب اسے سمجھایا جاتا تو بہت بدتمیزی کرتا، اس کے غلط رویے کی وجہ سے خالدہ بیگم اور ان کے شوہر بہت پریشان تھے۔ ایک روز انہوں نے خالد کو مارا تو اسحاق غصے سے بپھر گیا اور رات کے وقت گھر سے تمام زیور اور روپیہ چرا کر بھاگ گیا۔ تب سے انہیں اس سے نفرت سی ہوگئی تھی اور وہ اس کا نام بھی سننا پسند نہیں کرتی تھیں۔ اس واقعے کے چار سال بعد انھوں نے اشفاق کی شادی کر دی۔ اس لیے نادیہ کو اس واقعے کا بالکل علم نہیں تھا۔ اب اتنے سالوں کے بعد اسحاق کہاں سے آ گیا اور اشفاق اس سے ملنے کیوں جاتا تھا، ان سوالات کے جوابات اشفاق ہی دے سکتا تھا۔ شام کو اشفاق جیسے ہی گھر آیا، خالدہ بیگم سے صبر نہ ہو سکا اور وہ اس پر برس پڑیں۔ ''کیوں جاتے ہوں تم اسحاق سے ملنے؟ وہ تمہیں بھی برباد کر دے گا...'' وہ جانے کیا کیا بولتی جا رہی تھیں۔

اشفاق سمجھ گیا کہ اس کا راز کھل چکا ہے۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا، کافی دیر کے بعد اس نے کہا۔

''میں کچھ نہیں کہوں گا امی! بس آپ میرے ساتھ چلیں۔'' اشفاق نے اصرار سے کہا۔ پہلے تو وہ تیار ہی نہیں ہوتی تھیں مگر اشفاق نے انہیں راضی کر لیا۔

کچھ دیر بعد وہ اس مکان کے باہر کھڑے تھے۔ اسی نوجوان نے دروازہ کھولا۔ اشفاق اپنی والدہ کا ہاتھ تھام کر اندر لے گیا۔ ایک کمرے میں چارپائی پر ایک بوڑھا سا آدمی لیٹا تھا۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں بال سفید ہو گئے تھے ماں تو ماں ہی تھی نا! بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر ضبط نہ کر سکی۔

''ہائے میرے بیٹے! یہ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟''

اسحاق نے ان کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی۔

''امی اب بھائی جان وہ بھائی جان نہیں رہے جو پہلے تھے۔ ہم سے دور ہونے کے بعد انہوں نے شادی کر لی تھی۔ مگر انہیں کبھی ذہنی سکون نہیں ملا۔ ان کے بہت سے لوگوں سے جھگڑے ہوئے، بیوی بھی لڑتی رہتی تھی۔ غم اتنے ملے کہ اسحاق بھائی نیم پاگل ہو گئے، جب انہیں دورہ پڑتا تو اپنے امی ابو کو پکارنے لگتے اور اشفاق اشفاق کہہ کر چلاتے، ان کی ذہنی حالت کی وجہ سے ڈاکٹر نے کہا کہ انہیں ان کے والدین کے پاس لے جایا جائے، یہ ان کا بڑا بیٹا احسن ہے۔ یہی انہیں لے کر ہماری تلاش میں یہاں آ گیا اور مجھ سے رابطہ کیا۔ میں نے ساری صورت حال دیکھتے ہوئے انہیں فی الحال یہاں رہنے کا مشورہ دیا تا کہ ان کا علاج کرا سکوں۔ اب یہ پہلے سے بہتر ہیں مگر اب بھی انہیں دورہ پڑتا رہتا ہے اور جب میں ان کے پاس آ جاتا ہوں تو یہ پرسکون ہو جاتے ہیں، امی یہ بہت دکھ اٹھا چکے ہیں اپنے گناہوں پر پشیمان ہیں، امی انہیں معاف نہیں کر دیں گی آپ؟ دیکھیں غموں نے انہیں کتنی جلدی بوڑھا کر دیا ہے۔'' اشفاق نے سارا ماجرا تفصیل سے بیان کر دیا۔

اختری بیگم سنتی جا رہی تھیں اور اپنے بیٹے کا چہرہ دیکھتی جا رہی تھیں، وہ سارا غصہ وہ ساری نفرت جانے کہاں چلی گئی تھی۔ اپنے آنسوؤں کی فکر کیے بغیر وہ اپنے بوڑھے بیٹے کے آنسو ایسے پونچھنے لگیں جیسے وہ کوئی ننھا سا بچہ ہو۔ اشفاق اور احسن ممتا کی تڑپ دیکھ کر خود بھی رو رہے تھے۔

☆ ماں: مٹھائی رکھنے کے لیے کون سی جگہ مناسب ہے۔
بیٹا: امی! میرا پیٹ۔

☆ لڑکا: تم بھیک کیوں مانگتے ہو۔
بھکاری: تا کہ سخی اور کنجوس کا پتا چل سکے۔ (حذیفہ کمال۔ چکڑالہ)

☆ علی: (دکان دار سے) انکل پانچ روپے والی پنسل تو دے دیں۔
دکان دار: یہ لو بیٹا! پانچ روپے دے دو۔
علی: یہ لیں انکل! انکل اب میں جاؤں۔
دکان دار: تمہارے لیے چائے یا بوتل منگواؤں کیا؟''

☆ ایک شخص: آپ نے کہاں تک تعلیم حاصل کی؟
دوسرا شخص: ایم اے کر چکا ہوں۔
پہلا شخص: اب کیا ارادہ ہے۔
دوسرا شخص: سوچ رہا ہوں۔ میٹرک بھی کر ہی لوں۔

☆ شوہر: ارے! میری ٹوپی کہاں ہے۔
بیوی: آپ کے سر پر۔
شوہر: اچھا ہوا بتا دیا، ورنہ آج میں ننگے سر دفتر چلا گیا تھا۔ (اقصیٰ سحر۔ خان گڑھ)

☆ دولہا: (اپنی شادی کے موقع پر ایک باراتی سے) آج کچھ کھانے کو ملے گا۔
باراتی: آج تو بہت کچھ ملے گا۔ آگے تمہاری قسمت۔ (جنید احمد صدیقی۔ خان گڑھ)

☆ مریض: میں کیا کیا کچھ کھا سکتا ہوں؟
ڈاکٹر: آپ سب کچھ کھا سکتے ہیں۔
مریض: (خوش ہو کر) شکریہ! میں آپ کی فیس کھانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ (محمد عبداللہ امجد۔ لاہور)

☆ بیوی: میں بازار جا رہی ہوں۔ مجھے پانچ ہزار روپے کی ضرورت ہے۔
شوہر: تمہیں روپوں کی نہیں! عقل کی ضرورت ہے۔
بیوی: آپ سے تو وہی چیز مانگ سکتی ہوں جو آپ کے پاس ہے۔ (حافظ محمد اشرف۔ حاصل پور)
منیجر: (ملاقاتی سے) تم بغیر اجازت اندر کیوں آئے۔
ملاقاتی: میں اجازت کے لیے ہی تو آیا ہوں۔ (خولہ بنت محمد شفیق۔ جھنگ صدر)

کیے جاؤ کوشش

محمد یاسر کمال۔لاہور

چین کے ایک دیہاتی علاقے میں ایک کسان اپنے بچوں کے ساتھ ایک مکان میں رہتا تھا۔ وہ بڑا محنتی انسان تھا۔ وہ سارا سارا دن اپنے گھر کے قریب کھیتوں میں کام کرتا رہتا۔ اُس کا وقت اچھا گزر رہا تھا۔ اس کسان کے گھر کے بالکل سامنے ایک بلند و بالا پہاڑ تھا۔ اس پہاڑ کی وجہ سے سورج کی کرنیں صبح کے وقت اُس کے گھر میں داخل نہیں ہوسکتی تھیں۔ سخت سردی کے موسم میں وہ اس بات کو شدت سے محسوس کرتا۔ اُس نے اس سلسلے میں بہت غور و فکر کیا۔ آخر کار اُسے ایک ہی راستہ دکھائی دیا، یہ کہ وہ پہاڑ کی بلند چوٹی کو آہستہ آہستہ کاٹنا شروع کرے۔ اُسے پورا یقین تھا کہ اگر وہ ایسا کرلے تو رفتہ رفتہ وہ پہاڑ کی اونچائی کو کم کرنے میں کامیاب ہوجائے گا اور پھر سورج کی کرنیں دوسرے گھروں کی طرح اُس کے گھر کو بھی روشن کریں گی اور اس طرح اُس کے بچے سردیوں کے موسم میں پرسکون رہ سکیں گے، چنانچہ اگلے ہی روز وہ کدال اور بیلچہ وغیرہ لے کر پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گیا اور پہاڑ کی چوٹی کی کھدائی کے کام کا آغاز کردیا۔ اُسے اس بات کا اندازہ تھا کہ یہ ایک بہت مشکل کام ہے، پھر بھی وہ مسلسل جد و جہد کرتا رہا اور پہلے ہی روز بڑی تعداد میں پتھر اور مٹی ہٹانے میں کامیاب ہوگیا۔ شام کے وقت وہ گھر واپس آیا تو اُسے معلوم ہوا کہ گاؤں کے لوگوں کو اُس کے منصوبے کی خبر ہوچکی ہے۔

لوگوں نے کسان کے اس منصوبے پر حیرت ظاہر کرتے ہوئے کہا:

''یہ تو بالکل ناممکن سی بات ہے کہ تم پہاڑ کی اونچائی کم کرسکو۔''

لوگوں کی باتیں سن کر کبھی تو وہ صرف مسکرا دیتا اور کبھی اُن سے کہتا: ''میرے بھائیو اور میرے دوستو! تمہاری بات درست ہے، لیکن کوشش کرنے میں آخر کیا حرج ہے؟''

اگلے روز کسان نے پہلے سے زیادہ وقت صرف کیا۔ اس طرح ہوتے ہوتے وہ پہاڑ کی بلند چوٹی کو کاٹنے میں کامیاب ہوگیا۔ لوگ اُس کے کام کا جائزہ لینے کے لیے آتے اور اُسے سمجھاتے کہ وہ فضول اپنا وقت ضائع نہ کرے۔ وہ لوگوں کی باتیں ایک کان سے سنتا اور دوسرے کان سے نکال دیتا۔ کسان مستقل مزاجی کے ساتھ محنت کرتا رہا۔ وہ روزانہ چند پتھر اور کچھ مٹی ہٹانے میں کامیاب ہوجاتا۔ اسی طرح محنت مشقت کرتے کرتے کئی برس گزر گئے۔ کسان اب پہلے کے مقابلے میں کچھ کمزور ہوگیا تھا اور کچھ ہی عرصہ بعد اُس پر بڑھاپا غالب آگیا۔ اب وہ محنت مشقت کے قابل نہ رہا۔ اُسے بے حد افسوس تھا کہ وہ اپنا کام مکمل نہ کرسکا تھا۔ کسان کے بیٹے اب جوان ہوچکے تھے۔ انھوں نے سارے معاملے کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اُن کے باہمت باپ کا کام نامکمل نہیں رہنا چاہیے۔ اُن کے والد نے بھی اُن کا حوصلہ بڑھایا، چنانچہ ان نوجوانوں نے نئے جوش اور ولولے کے ساتھ اپنے باپ کے مشن کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے ایک پروگرام کے تحت باقاعدہ انداز میں کام جاری رکھا۔ کام جاری بھی رہا اور کام کی رفتار بھی پہلے کے مقابلے میں بہتر ہوگئی۔ یہ نوجوان بھی کام میں لگے رہے اور لوگوں کی باتیں سنتے رہے، لیکن لوگوں کی باتیں، ان کے حوصلے کو کم نہ کرسکیں۔ اس دوران ایک طویل عرصہ گزر گیا۔ بوڑھا کسان تو جلد ہی چل بسا۔ یہ نوجوان بھی کمزور ہوگئے اور بڑھاپے نے انھیں بھی آلیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ نوجوان بھی چل بسے، لیکن ان کے کیے ہوئے کام نے آنے والی نسل کو حوصلہ دیا۔ انھوں نے دیکھا کہ اُن کے بزرگوں نے ایک بڑا کارنامہ سرانجام دیا تھا اور طویل عرصے کی محنت نے انھیں اس قابل بنایا تھا کہ وہ پہاڑ کی بلندی کو کسی حد تک کم کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔ نئی نسل کے جوانوں نے بھی خوب محنت کی اور پھر وہ دن بھی آہی گیا کہ دوسرے گھروں کی طرح ان کے گھر میں صبح کے وقت سورج کی کرنیں داخل ہوئیں۔ نوجوانوں نے اپنے بزرگوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ایک ناممکن کام کو ممکن بنا کر ثابت کردیا کہ اگر انسان مستقل مزاجی کے ساتھ محنت کرے تو کوئی بھی مشکل کام سرانجام دے سکتا ہے۔

آج مسلمانانِ عالم کے سامنے پہاڑ جیسے کچھ کام موجود ہیں، جو اسلام کے دشمنوں نے لا کھڑے کیے ہیں۔ ان کے مقابلے میں بس اٹھ کھڑے ہونے کی ضرورت ہے۔

مختصر پُر اثر

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ جبرئیلِ امین تشریف لائے تو وہاں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے رو رہا تھا، جبرائیل امین نے فرمایا کہ انسان کے تمام اعمال کا تو وزن ہوگا مگر اللہ و آخرت کے خوف سے رونا ایسا عمل ہے جس کو تولا نہ جائے گا، بلکہ ایک آنسو بھی جہنم کی بڑی سے بڑی آگ کو بجھا دے گا۔ (معارف القرآن)

(اقصیٰ سلیم۔خان گڑھ)

☆ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ سے پوچھا:

''مومن کی جو سرگوشی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے ہوگی، اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ہے۔'' آپ نے فرمایا:

''رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا کہ اللہ تعالیٰ ایک مومن کو اپنے قریب بلائے گا اور اپنا بازو اس پر رکھ دے گا اور لوگوں سے اُسے پردے میں کرے گا، اور اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا، اور پوچھے گا، یاد ہے فلاں گناہ تو نے کیا تھا؟ فلاں کیا تھا؟ یہ اقرار کرتا جائے گا اور دل دھڑک رہا ہوگا کہ اب ہلاک ہوا، اب ہوا، اتنے میں اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

''دیکھ! دنیا میں، میں نے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی اور آج ان گناہوں کو معاف کرتا ہوں، پھر اسے اس کی نیکیوں کا اعمال نامہ دیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر: 382/1)

(سحرامیہ حمزہ۔گوجرانوالہ)

☆ حضرت قیس بن سعد خزرجی ایک مرتبہ بیمار ہوئے اور احباب میں سے کوئی بھی عیادت کو نہ آیا۔ جس پر انھیں تعجب ہوا۔ خاص طور پر ان لوگوں پر حیرت ہوئی جن کی آمد و رفت زیادہ تھی اور صحت کے زمانے میں اکثر آیا کرتے تھے۔

حضرت نے گھر کے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ گھر والوں نے بتایا کہ ہر شخص کو آپ کا قرض دینا ہے۔ ایسی حالت میں بغیر قرضہ لیے آنے سے ان لوگوں کو شرم آتی ہے۔ فرمانے لگے: ''اس کم بخت مال کا ناس ہو، یہ دوستوں کی ملاقات بھی چھڑا دیتا ہے۔'' یہ کہہ کر ایک شخص کو بلایا اور اس کے ذریعے سے شہر میں منادی کرائی کہ جس کے ذمے قیس کا قرض ہے، وہ قیس نے سب کو معاف کردیا۔ اس کے بعد جو عیادت کرنے والوں کا ہجوم ہوا تو دروازے کی دہلیز بھی ٹوٹ گئی۔ (حافظ عبدالرزاق۔ڈیرہ اسماعیل خان)

شریف مرد

سید بلال پاشا۔ واہ کینٹ

مجھے دبئی جانا تھا۔ میں گاڑی سے اترا۔ گاڑی لاک کی، ٹکٹ وغیرہ کو تسلی کے لیے ایک نظر دیکھا۔ گھڑی دیکھی تو ابھی ڈیپارچر لاؤنج (وہ انتظار گاہ جہاں جانے والی فلائیٹ کے مسافر انتظار کرتے ہیں) میں جانے میں کچھ وقت تھا۔ میں نے ایک رسالہ، ایک بسکٹ کا پیکٹ اور ایک بوتل خرید کر ہینڈ بیگ میں رکھ لیے تھے۔ یہ خریداری کرنے کے بعد میں خصوصی انتظار گاہ کی طرف بڑھ گیا۔ انتظار گاہ میں پلاسٹک کرسیاں ایک قطار میں لگی ہوئی تھیں۔ اس طرح کی بہت سی قطاریں تھیں۔ وقفے وقفے سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے اور کوئی ٹی وی دیکھ رہا تھا، کوئی کتاب پڑھ رہا تھا، کوئی چپس کھا رہا تھا۔ میں بھی ان میں سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اپنا پاسپورٹ وغیرہ چیک کیا، ٹکٹ کو دوبارہ دیکھا۔ اتنی دیر میں ایک خوش پوش آدمی مجھ سے ایک کرسی چھوڑ کر بیٹھ گیا۔ میں نے ایک نظر اسے دیکھا تو وہ نہایت شریف سا آدمی محسوس ہوا۔ چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی، کوئی بہت قیمتی شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی۔ آنکھوں پر ایک نفیس سا چشمہ لگا ہوا تھا۔ پہلی نظر میں دیکھتے ہی ایک مہذب اور پڑھا لکھا آدمی لگتا تھا۔ میں نے اپنا بیگ اور میگزین چیک کرتے ہوئے ساتھ والی سیٹ پر رکھ دیا تھا۔ وہیں رکھے رکھے بیگ سے بسکٹ کا پیکٹ نکال کر کھول لیا اور ایک بسکٹ نکال کر کھانا شروع کر دیا۔ مگر اگلے ہی لمحے میں حیرت سے اچھل پڑا۔ اس شریف سے انسان نے بھی میرے پیکٹ سے ایک بسکٹ نکالا اور کھانا شروع کر دیا۔ مجھے اس کی اس حرکت پر حیرت کے جھٹکے لگے۔ اس کے چہرے پر جو نفاست کے آثار نظر آ رہے تھے، وہ سب کے سب ایک دم سے غائب ہو چکے۔

''بھوکا... بے شرم... ذرا حیا نہیں ہے۔'' میں نے دل میں سوچا۔ اگلا لمحہ اور بھی زیادہ حیرت انگیز تھا، کیونکہ میں نے دوسرا بسکٹ اٹھایا تو اس نے بھی فوراً ہی دوسرا بسکٹ اٹھا لیا۔ جیسے وہ میرے ہی انتظار میں تھا۔ اس کے چہرے پر چمکتی شرافت ایک بے حیا مسکراہٹ میں تبدیل ہو چکی تھی۔

''یہ ہوتے ہیں شریف لوگ ہنہ۔'' میں نے ناک سکیڑا۔ بڑی مشکل سے تیسرا بسکٹ اٹھایا، اس نے بھی فوراً ہی ایک اور بسکٹ اٹھا لیا۔ میری توقع کے عین مطابق۔ اس کے بعد ایک ہی بسکٹ بچا تھا۔ میں کشمکش میں تھا، معلوم نہیں ، یہ خاموش مقابلہ کب ختم ہوگا۔ اب ایک بسکٹ رہ گیا تھا، میں حیرت اور غصے سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ شریف مرد زیر لب ہلکا سا مسکرا رہا تھا۔ مجھے اس کے چہرے پر بھوکے پن کے اثرات، ڈھٹائی اور بے شرمی واضح نظر آ رہی تھی۔

''پتا نہیں کیسے لوگ ہوتے ہیں۔'' میں نے دل میں سوچا۔

''کہاں جا رہے ہیں آپ؟'' اس کی آواز پہلی مرتبہ آئی۔ مجھے ایسے لگا، یہ شاید جنگ کی پہلی گولی ہے، لیکن لہجہ اتنا میٹھا تھا کہ میں حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا، کیونکہ اس قسم کے لوگ جو پیٹو ہوں، کسی کو کھاتا پیتا نہیں دیکھ سکتے۔ میں نے اس کے لباس کی طرف نظر ڈالی تو وہ انتہائی قیمتی اور سلجھا ہوا لباس تھا۔ اس کے لباس اور کردار کا واضح فرق مجھے نظر آ رہا تھا۔

''میں نے آپ سے کچھ پوچھا ہے؟'' اس نے میرے خیالات کو توڑا۔

''کیا پوچھا ہے؟'' میں نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا، جیسے سارا غصہ ایک ہی جملے میں نکال دیا ہو۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟''

''ہاں... ہاں، بالکل ٹھیک ہوں میں۔'' میں اندازہ لگا چکا تھا کہ اتنا قیمتی لباس بھی ایسے ہی آیا ہوگا جیسے بسکٹ کا آدھا پیکٹ میرے ساتھ ہڑپ کر چکا تھا۔ اس شریف سے مرد نے مجھ پر سے نظر ہٹائی اور اگلا بسکٹ کو دیکھنے۔

''پتا نہیں، کیا سوچ رہا ہے اس بسکٹ کا۔'' میں نے دل میں سوچا، لیکن اگلا ہی لمحہ حیرت انگیز تھا۔ اس نے بسکٹ اٹھایا اور اس کے دو ٹکڑے کیے، ایک ٹکڑا میرے ہاتھ میں پکڑا دیا اور دوسرا اپنے منہ میں ڈالا اور اپنا بیگ اٹھایا اور یہ جا وہ جا۔ اس کی فلائیٹ آ چکی تھی۔ تھوڑی دیر میں میری فلائیٹ کا اعلان ہو گیا تھا۔ میں نے ہینڈ بیگ سنبھالا اور جہاز کی طرف بڑھ گیا۔

جہاز میں پہنچ کر میرے ساتھ ایک اور ایسا واقعہ ہوا جو میں زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔ میں نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر بے دھیانی سے بیگ سے رسالہ نکالا تو میری چیخ نکل گئی۔ جہاز شدید ٹھنڈا تھا، لیکن میرے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے، جنھیں میں ٹشو پیپر سے صاف کر رہا تھا۔ مجھے اپنا سارا رویہ یاد آنے لگا کہ جو باتیں میں نے سوچی ہوں گی، وہی باتیں اس نے میرے بارے میں سوچی ہوں گی، کیونکہ میرے بیگ میں میرا بسکٹ کا پیکٹ جوں کا توں موجود تھا۔

جواہرات سے قیمتی

- دل کتنا ہی سخت ہو، ذکرِ الٰہی کی متواتر ضربوں سے نرم ہو جاتا ہے، جس طرح سخت پتھر پر پانی ٹپکنے سے گڑھا پڑ جاتا ہے۔
- جدوجہد کے بغیر کامیابی کی امید بے سود ہے۔
- اچھا عمل وہ ہے جو ہمیشہ ہو، چاہے تھوڑا ہو۔
- بہترین کام وہ ہے جو اعتدال سے کیا جاتا ہے۔
- پاؤں بے شک پھسل جائے، زبان کو نہ پھسلنے دو۔
- عادت پر غالب آنا کمال کی فضیلت ہے۔
- عقل مند اپنے آپ کو پست کر کے بلند کرتا ہے، نادان اپنے آپ کو بڑھا کر ذلت اٹھاتا ہے۔
- موت سے بڑھ کر کوئی سچی چیز نہیں اور امید سے بڑھ کر کوئی جھوٹی چیز نہیں۔
- پاک وہ نہیں جس کی محفل پاک ہو بلکہ پاک وہ ہے جس کی تنہائی پاک ہے۔
- انسانی خواہشات پیاز کے پرتوں کی طرح ہیں، ایک کے بعد دوسری نکل آتی ہے۔

ارسال کرنے والے: ثانیہ اسلم لاہور۔ ابن راحت شبقدری۔
عائشہ ملک چشمہ۔ خنسا منور دین فیصل آباد۔ بنتِ سیف الرحمٰن گوجرانوالہ۔

بوڑھا بیٹا

شازیہ نور۔لاہور

اشفاق ابھی گھر واپس آیا ہی تھا کہ کسی کا فون آ گیا اور وہ گھر والوں سے ”ابھی آیا“ کہہ کر پھر گھر سے نکل گیا۔

”اشفاق کہاں گیا ہے؟“ اس کی والدہ خالدہ بیگم نے کہا۔ ”معلوم نہیں امی، کہہ رہے تھے کہ ابھی آتا ہوں، تم کھانا گرم کرو۔“ اشفاق کی بیوی نادیہ نے سلاد پلیٹ میں سجاتے ہوئے کہا۔

”میرا تو دل گھبرا رہا ہے، جانے کہاں چلا گیا ہے، کسی کا فون آیا تھا؟“ خالدہ بیگم پریشان ہو رہی تھیں۔

”امی“ آپ فکر نہ کریں، ابھی آ جائیں گے“ نادیہ نے اطمینان سے کہا۔

منہ ہی منہ میں خالدہ بیگم بیٹے کو دعائیں دیتی رہیں۔

اشفاق نے واپس آنے میں کافی دیر کر دی، خالدہ بیگم نے کریدا۔

”کہاں چلے گئے تھے بیٹا؟ بتا کر تو جایا کرو، میرا دل ہولتا رہتا ہے“

”ارے امی ... بس ایک دوست کو ضروری کام تھا، وہی کرنے گیا تھا آپ گھبرایا نہ کریں۔“ اشفاق نے مسکرا کر والدہ سے کہا۔

اس واقعے کے عین دو دن بعد پھر ایسے ہی ہوا، کوئی فون آیا اشفاق پھر ابھی آتا ہوں کہہ کر نکل گیا۔

”یہ آج کل اشفاق کو ہو کیا گیا ہے، جب فون آتا ہے فوراً چلا جاتا ہے“ خالدہ بیگم نے فکرمند لہجے میں کہا۔

اصل میں تو نادیہ بھی دل میں پریشان تھی مگر وہ اپنی پریشانی اپنی ساس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی، کیونکہ اس طرح اس کی ساس مزید پریشان ہو جاتی۔

اس نے مسکرا کر کہا ”امی کسی کام سے ہی جاتے ہوں گے“ ”مگر کس کام سے؟ ایسا کون سا کام ہے جو اچانک پڑ جاتا ہے“ خالدہ نے ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔

اس مرتبہ نادیہ خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی۔

اشفاق کے اس طرح اچانک گھر سے جانے کے واقعات پے در پے ہو رہے تھے اور اب اس کی والدہ کو یقین کی حد تک گمان ہو گیا تھا کہ اشفاق کسی غلط کام میں پڑ گیا ہے۔

”میں کہتی ہوں نادیہ اشفاق سے پوچھا تو کرو کہ وہ کہاں جاتا ہے۔“ ایک روز پھر انہوں نے نادیہ کو روکھے سے لہجے میں کہا۔

”امی پوچھا تھا، وہ کہہ رہے تھے فکر نہ کیا کرو، بس دعا کیا کرو۔“ نادیہ نے پرسکون لہجے میں کہا۔

”کیا دعا کیا کرو؟ آخر وہ کر کیا رہا ہے؟ وہ بتاتا کیوں نہیں۔“ یقیناً وہ کسی برے کام میں پھنس گیا ہے“ خالدہ بیگم نے زور دے کر کہا۔

نادیہ بھی ان باتوں کی وجہ سے اپنے شوہر سے بدگمان ہوتی جا رہی تھی۔

آخر کیا کیا جائے؟ کس طرح پتا چلے کہ اشفاق کہاں جاتا ہے“ وہ بیٹھی سوچ رہی تھی۔

”کیا مجھے اشفاق کا تعاقب کرنا چاہیے، مگر کیسے؟ وہ تو موٹر سائیکل پر بیٹھتے ہیں اور نکل جاتے ہیں، اتنی جلدی تو کوئی سواری بھی نہیں ملتی ... تو؟ ... تو مجھے کسی سے مدد لینا پڑے گی ... مگر یہاں قریب میں تو کوئی ایسا نہیں ... کیوں نہ میں اپنے بھائی شاہد کو ایک ہفتے کے لیے گھر بلا لوں؟ ہاں یہ ٹھیک رہے گا، یوں بھی شاہد آج کل فارغ ہے ...“ نادیہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔

آخر اس نے اپنے بھائی شاہد کو فون کیا اور ساری صورت حال سے آگاہ کر کے اپنے گھر بلا لیا۔

شاہد کو گھر میں دیکھ کر اشفاق نے خوشی کا اظہار کیا۔

اسے آئے تیسرا دن تھا۔ سب کھانا کھا رہے تھے کہ اشفاق کا موبائل بج اٹھا اشفاق نے فون سنا، اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار ظاہر ہوئے، اس نے کہا ”میں آتا ہوں“۔

نادیہ نے نظروں ہی نظروں میں شاہد کو اشارہ کیا۔ اشفاق کے باہر نکلتے ہی شاہد بھی باہر نکل گیا۔ اتفاق سے شاہد کو رکشہ بھی فوراً مل گیا۔ اس نے اشفاق کا تعاقب شروع کر دیا، صرف پندرہ منٹ بعد اشفاق نے ایک گھر کے سامنے جا کر موٹر سائیکل روکی اور گھر کے دروازے کی گھنٹی بجائی۔

شاہد پیچھے کھڑا دیکھ رہا تھا۔ کسی نے دروازہ کھولا۔ اشفاق اندر چلا گیا۔ اب شاہد کا یہاں کھڑا ہونا بیکار تھا۔ اس نے چند لمحے گھر کا باہر سے جائزہ لیا اور پھر واپس رکشے میں بیٹھ کر اپنی بہن کے پاس آ گیا۔

”باجی ... وہ تو ایک گھر میں داخل ہوئے تھے۔ گھر کی حالت بھی بس خستہ ہی سی تھی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ وہاں کیا کرنے گئے ہوں گے؟“

”ہو سکتا ہے۔ اس گھر میں کوئی جوئے کا اڈا ...“ نادیہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”نہیں نہیں ... مجھے ایسا نہیں لگتا“ شاہد نے کہا۔

”تو پھر؟“ نادیہ اب واقعی فکرمند تھی۔

”یہ تو اس گھر میں جا کر پتا چلے گا، کل صبح چلیں میرے ساتھ، ہم لوگ پتا کر کے آتے ہیں“ شاہد نے مشورہ دیا۔ (باقی صفحہ 10 پر)

آمنے سامنے

☆ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ: ”امتحان“ سالنامے میں شائع کرنے کا بہت شکریہ، لیکن اس میں مجھے ایک بات مناسب نہیں لگی۔ جہاں جہاں میں نے ”اشتیاق احمد صاحب“ لکھا تھا۔ آپ نے وہاں وہاں سے صاحب کا لفظ ہٹا دیا ہے۔ بچوں کا اسلام تو ہم سب کو اخلاق سکھاتا ہے اور بڑے کامیاب طریقے سے ہر عمر کے بچوں کی اخلاقی تربیت کر رہا ہے۔ آپ ہم سب کے بڑے ہیں۔ ہم سب کے لیے واجب الاحترام ہیں۔ آپ استاد ہی نہیں، استادوں کے بھی استاد ہیں۔ اس لیے ہمارے لیے لازم ہے کہ ہم ادب اور احترام اور مرتبے کا خیال رکھیں۔ مجھے معلوم ہے، آپ ایسا کسرِ نفسی کی وجہ سے کرتے ہیں۔ آپ کسرِ نفسی سے اس وقت ضرور کام لیں جب آپ اپنا ذکر کر رہے ہوں، لیکن ادب اور احترام کے ہمارے الفاظ پر قلم پھیر کر، آپ ہمارے جذبات کو مجروح نہ کیا کریں۔ اس سے بہتوں کا بھلا ہوگا یہ اور بھی قارئین اور لکھنے والوں کی صدا ہے۔ (پروفیسر اسلم بیگ۔ اسلام آباد)

ج: اللہ کا شکر ہے، آپ نے آخر میں یہ نہیں لکھا، یہی درویش کی صدا ہے۔ بات تو آپ کی بجا ہے، لیکن میں اپنے نام کے ساتھ پھر بھی صاحب برداشت نہیں کر پاتا۔ آپ مجھے معذور جان لیں۔

☆ میں آپ کے سر پر بندوق تو رکھ نہیں سکتا، نہ ہی آپ کو مجبور کر سکتا ہوں کہ میرا یہ پہلا خط اور کہانی شائع کر دیں مگر اتنا تو کر ہی سکتا ہوں کہ آپ سے التجا کر لی جائے، چنانچہ اسے میری التجا سمجھ لیں۔ کیا آپ کو قبول ہے۔ (عبدالستار خان۔ ظاہر پیر)

ج: آپ کا یہ خط کسی بندوق سے کم نہیں۔

☆ بچوں کا اسلام، خواتین کا اسلام، ضربِ مومن اور شریعہ اینڈ بزنس سب زبردست ہیں۔ ان سے میرا تعلق 10 سال پرانا ہے۔ ضربِ مومن میں آپ کا کالم امید دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے۔ آپ کے ناول آخری منزل اور محبت ہوگئی پڑھنے میں بہت مزہ آیا۔ ایسے اور بھی ناول بتا دیں اور میرے لیے دعا کریں، مجھے میڈیکل میں داخلہ مل جائے۔ (عبدالباسط۔ لودھراں)

ج: آمین! لیکن شریعہ اینڈ بزنس تو ابھی شروع ہوا ہے۔

☆ چچا جان! ایک بات پوچھوں! مجھے لگتا ہے، آپ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شخصیت حد سے زیادہ پسند ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کم سمجھتے ہیں۔ یہ بات بھلا میں کیسے کہہ سکتی ہوں۔ آپ نے تو ان کی شان میں واقعات صحابہ قدم بہ قدم لکھ دیے ہیں۔ بس میں ایسے ہی پوچھ رہی ہوں، کیونکہ مجھے آپ کی تحریروں سے ایسی خوشبو آئی ہے۔ یہ میں اندازاً کہہ رہی ہوں اور میرا اندازہ غلط بھی ہو سکتا ہے۔ مہربانی فرما کر میرے سوال کا جواب ضرور دیں۔ میرا سوال یہ نہیں کہ پسندیدہ ہیں۔ وہ تو ہر مسلمان پسند کرتا ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ صرف پسند ہیں یا بہت بہت زیادہ پسند ہیں، سچ سچ بتائیے گا۔ آپ پسند کریں تو اس خط کا جواب آمنے سامنے میں دیں۔ چاہیں تو دو باتیں میں دیں۔ مجھے تو بس آپ کا جواب چاہیے۔ (خولہ بنتِ قاری محمد شفیق پانی پتی۔ جھنگ صدر)

ج: میرے نزدیک تمام صحابہ ستاروں کی مانند ہیں اور ستارے چھوٹے بڑے ہیں۔ اس سلسلے میں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ترتیب سے بال برابر بھی ادھر اُدھر ہونا پسند نہیں کرتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک تمام صحابہ کرام میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے نمبر پر ہیں، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوسرے نمبر پر ہیں، اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تیسرے نمبر پر ہیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے نمبر پر ہیں اور پھر تمام صحابہ سے محبت ایمان ہے۔

☆ شمارہ 586 میں عبدالحنان کے بارے میں پڑھ کر غم میں ڈوب گئے۔ اللہ سے دعا ہے، وہ مل جائے۔ آمین اور جلد آپ یہ خوش خبری دو باتیں میں سنائیں۔ حافظ نوید احمد عجمی کا مضمون فاتح اعظم کون فکر انگیز تھا جو بہت کچھ سوچنے کی دعوت دے گیا کہ حقیقت میں فاتح اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں، نہ کہ الیگزینڈر، حکیم محمد صادق کی قدرت کا انتقام بہت

14 کتابوں پر مشتمل

اسپیشل پیکج

حضرت نوح علیہ السلام اور بڑی کشتی | آؤ بچو! اسلام سیکھیں
حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہدہد | آؤ بچو اخلاق سیکھیں
قیامت کب آئے گی؟ | آؤ بچو! دعا پڑھیں
مختصر پراثر (دوم) | آؤ بچو! حدیث پڑھیں
مختصر پراثر (سوم) | آؤ نماز سیکھیں
سفرنامہ عمرے کا | آؤ بچو سنتیں سیکھیں
ائمہ اربعہ | آؤ آداب سیکھیں

آپ کے لیے بھی مفید،
کسی کو ہدیہ دینے کے لیے بھی بہترین

کل قیمت 1810 روپے
رعائتی قیمت 1100 روپے

ملنے کے پتے

لاہور 0321-4538727 ملتان 0300-7301239 راولپنڈی 0321-5123698 کوئٹہ 0333-7900840 سکھر 0321-5628333 میرپور خاص 0333-2953808 رحیم یار خان 0321-2647131
حیدرآباد 0300-9371712 جھنگ 0477-650265 پشاور 0314-9696344 مانسہرہ 0321-5882313 ٹنڈوالہ یار 0300-3242290 صادق آباد 0333-7417605 بہاولپور 0333-6367755
ساہیوال 0321-6950003
فیصل آباد 0321-7693142
سیالکوٹ 0345-6778683

ایم آئی ایس فاؤنڈیشن بلاک سی، آدم جی نگر، نزد پرانا دھوراجی کراچی۔ پوسٹ کوڈ: 75350
فون: 0321-2220104, 021-34944448 ویب سائٹ: www.mis4kids.com
آن لائن بینکنگ

دلچسپ تھی۔ آخر میں تو حیرت کا شدید جھٹکا لگا کہ قدرت کے نظام بھی کتنے انوکھے ہیں۔ نیوز چینل پر دو حملے ہو چکے، لگتا ہے برا وقت آنے والا ہے بے چارے نیوز چینل پر اور یہ جو الزام ہے کہ نیوز چینل غیر ملکی ایجنسی ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے، میں کہوں گی، یہ خفیہ ایجنسی تو ہے، غیر ملکی نہیں ہے۔ آخر کو محمد شاہد فاروق صاحب جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ یہ ایجنسی بھی ٹارگٹ کلنگ میں مصروف رہتی ہے۔ ہر شمارے کے کچھ لکھنے والوں کے نام لکھ کر بس ان کی درگت شروع کر دیتے ہیں اور چن چن کر لکھنے والوں کو اپنی زد پر لیتے رہتے ہیں۔ (بنتِ مولانا سیف الرحمٰن قاسم۔ گوجرانوالہ)

ج: آپ کا خط پڑھ کر تو میں بھی خوف زدہ ہو گیا ہوں۔

☆ انکل! میں مدرسے میں دوسرے درجے میں پڑھتی ہوں۔ مہربانی فرما کر دعا کیجیے گا کہ میں ایک باعمل عالمہ بن جاؤں اور خیر پھیلانے کا ذریعہ بن جاؤں۔

شمارہ 586 ہر لحاظ سے زبردست تھا۔ ف ح ہمیشہ کی طرح ایک خوب صورت تحریر کے ساتھ سامنے آئے۔ ان کی تحریر پراسرار دنیا میں یہ بات سمجھ میں آئی کہ ف ح دراصل صاحب ہیں، ورنہ میں تو انھیں صاحبہ خیال کرتی تھی۔ ان سے درخواست ہے کہ کوئی کہانی اپنے پورے نام کے ساتھ بھی لکھیں۔ حافظ حمزہ شہزاد کی دوبارہ آمد پر بہت بہت خوشی ہے۔ نیوز چینل بھی زبردست تھا۔ اس کا مطلب ہے، محمد شاہد فاروق صاحب کو رسالہ بہت غور سے پڑھنا پڑتا ہے۔ (لالہ رخ۔ پشاور)

ج: تو کیا آپ رسالہ غور سے نہیں پڑھتیں۔

☆ انکل! میں نے آپ کو آپ کی فرمائش پر آپ کا ناول سمندر کا دروازہ بھیجا تھا۔ مل گیا تھا یا نہیں۔ بچوں کا اسلام میں بتا دیجیے گا۔ مجھے آپ کے ناول بہت پسند ہیں۔ آپ اتنے ناول کس طرح لکھ لیتے ہیں، آپ حسبِ معمول اس کا جواب یہ نہ دے دیجیے گا کہ پن سے لکھتا ہوں۔ بچوں کا اسلام تو ہے، بہت ہی پسند۔ (راجہ ریحان، جہاں زیب۔ نشاء کالونی۔ لاہور کینٹ)

ج: جی ہاں! آپ کا ارسال کردہ سمندر کا دروازہ مل گیا ہے۔ آپ کے خط پر مکمل پتا نہیں تھا، ورنہ آپ کو شکریے کا خط لکھتا۔

☆ شمارہ 586 ہاتھوں میں ہے۔ دو باتیں پڑھ کر رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے، بچہ خیر و عافیت کے ساتھ اپنے والدین تک پہنچ جائے، ہٹل والا بچہ جس کا آپ نے ذکر کیا، ہمیں اچھی طرح یاد ہے۔ گم ہونے سے چند ماہ پہلے وہ ہمارے ہاں آیا تھا۔ بہت پیارا گول مٹول بچہ تھا۔ جب ہم نے اس کی گم شدگی کا سنا تھا تو بہت دکھ ہوا تھا۔ کئی دن تک اس کے لیے روتے رہے تھے۔ آخر چھ ماہ بعد وہ مل گیا تھا۔ اللہ ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے جو ماؤں کے لختِ جگر ان سے جدا کر دیتے ہیں۔ آمین! ف ح کراچی کی پراسرار دنیا پڑھ کر بہت حیرت ہوئی۔ اس دنیا میں سبھی کچھ ممکن ہے۔ (حفصہ سیماب۔ کراچی)

ج: آمین!

☆ جو تحریریں آپ کو ارسال کی جاتی ہیں، ان کی مختلف حالتیں ہوتی ہیں۔ کوئی تحریر اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے۔ کوئی درمیانے اور کوئی ادنیٰ درجے کی، جو تحریر اعلیٰ ہے، اُسے تو آپ شائع کر دیتے ہیں۔ درمیانے درجے کی بھی شاید شائع کرتے ہیں اور جو ادنیٰ ہے، آپ اُسے ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ جس تحریر میں کچھ کمی ہو، آپ اس کی اصلاح کر کے شائع کرتے ہیں یا ناقابلِ اشاعت کی لسٹ میں درج کر دیتے ہیں؟ اسی طرح ایک کہانی اچھی ہے، لیکن اس میں گرامر کی غلطیاں ہیں۔ آپ اس طرح کی تحریر سے کیا معاملہ فرماتے ہیں؟ اسی طرح کسی نے ایک اہم اور اچھے موضوع پر قلم اٹھایا، تحریر لکھی مگر انداز یا ترتیب اچھی نہیں رکھی تو کیا آپ ترتیب کی درستگی کر کے اس کو شائع کرتے ہیں یا پھر؟ جواب دینے کی درخواست کرتا ہوں، تاکہ بہت سے لوگوں کا فائدہ ہو جائے۔ نیز "ناقابلِ اشاعت" کا سلسلہ جاری رکھیں۔ اس سے اپنی تحریروں کے بارے میں علم ہوتا رہتا ہے۔ اللہ آپ کو اور ہمیں اہلِ حق کے ساتھ منسلک رکھے۔ آمین! (محمد عثمان حبیب۔ کہروڑپکا)

ج: قابلِ اصلاح کہانیوں کی اصلاح کر کے شائع کرتا ہوں۔

☆ میں "بچوں کا اسلام" پڑھ رہا تھا کہ یک لخت میری نظر تیر کی طرح صفحے کے آخری کونے پر پڑی، کیا دیکھتا ہوں، دلچسپ معلومات کا تراشہ چاند کی طرح چمک رہا تھا اور ساتھ میں اپنا اسمِ گرامی عزت مآب جناب "رفاقت حیات" دیکھ کر ایک کلو بلڈ (خون) بڑھ گیا جس میں سے آدھا کلو آپ کو میں بقلم خود گفٹ کرتا ہوں اور ایک چھٹانک قارئین کی نظر کرتا ہوں۔ تحفہ قبول کرنے کا شکریہ! اور درویش کی صدا کیا ہے؟ (رفاقت حیات۔ لاوہ)

MEEZAN Herbal®

میزان 24

خالص قدرتی اور غذائی اجزاء کا ایسا مرکب جو 24 بیماریوں میں حفاظت کرتا ہے

بھوک کی کمی | نیند کی کمی | خون کی کمی
قوت مدافعت کی کمی | آنتوں کی خشکی | سانس کی تنگی
کمزور جسم | کمزور بینائی | کمزور ہڈیاں
معدہ کا درد | جوڑوں کا درد | کمزور حافظہ
پچکے گال | شریانوں کا سکڑ جانا | دائمی قبض
دماغی و اعصابی کمزوری | پیشاب کی رکاوٹ | سوزش جگر
شوگر | بلڈ پریشر | بھینگا پن
جلد تھکاوٹ کا احساس | گیس/اپھارہ

مولانا ابراہیم، کراچی: 0321-2682667 | ثاقب کلینک، لکی مروت: 0301-8084850
حکیم ریاض، ٹیکسلا: 0322-5420834 | عمیر، ہارون آباد: 0321-7584846
میرپور خاص، سندھ: 0307-2100345 | ڈاکٹر رحمت، حسن ابدال: 0333-5179523
منیر، رحیم یار خان: 0342-7323604 | بہاری پنسار، نوشکی: 0333-6588040
مرحبا پنسار، نوکوٹ سندھ: 0300-3119312 | فخریہ شمسیہ دواخانہ، ملتان: 0300-7382825

سیمپل مفت شوگر کے مریض شوگر فری طلب کریں قیمت 850 روپے

قریبی ہومیو، ہربل سٹور اور کتب خانہ سے طلب کریں نہ ملنے کی صورت میں رابطہ کریں 0312-1624556

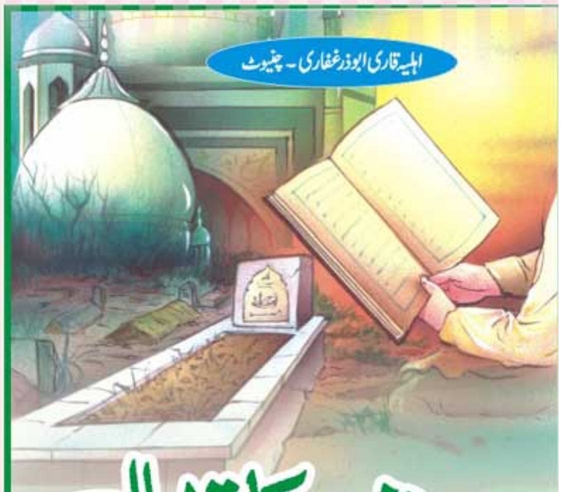

نور کا تھال

اہلیہ قاری ابوذر غفاری ۔ چنیوٹ

ابوقلابہ رحمہ اللہ نے خواب میں ایک ایسا قبرستان دیکھا جس کی قبریں شق ہوگئی تھیں اور ان کے مردے باہر نکل آئے تھے اور قبروں کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے اور ہر ایک کے سامنے نور کا طباق تھا اور انھوں نے انھیں اپنے ہمسایوں میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے سامنے نور کا طباق نظر نہیں آیا۔ ابو قلابہ رحمہ اللہ نے اس سے فرمایا کہ کیا بات ہے تیرے سامنے نور کا طباق نظر نہیں آتا اور میں تیرے سامنے نور نہیں دیکھتا ہوں۔ اس نے کہا کہ ان لوگوں کی اولاد اور احباب ہیں جو ان کے واسطے دعا کرتے ہیں اور صدقہ دیتے ہیں اور یہ نور انھی صدقات اور دعاؤں کی وجہ سے ہے اور میرا ابھی اگرچہ ایک لڑکا ہے، لیکن وہ نیک بخت نہیں ہے وہ نہ تو میرے واسطے دعا کرتا ہے اور نہ میرے لیے صدقہ دیتا ہے۔ اس وجہ سے میرے لیے نور نہیں ہے اور میں اپنے ہمسایوں سے شرمندہ ہوتا ہوں، پس جب ابوقلابہ رحمہ اللہ خواب سے بیدار ہوئے تو انھوں نے اس مردہ شخص کے لڑکے کو بلایا اور جو کچھ خواب میں دیکھا تھا، اس سے بیان کیا۔ اس کے بعد اس لڑکے نے ان سے کہا کہ آپ گواہ رہیے، بے شک میں نے توبہ کی اور جس حالت پر میں پہلے تھا، اب اس کی طرف نہیں پھروں گا، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اپنے باپ کے واسطے دعا اور صدقے کی طرف متوجہ ہوا، پھر ایک مدت کے بعد ابوقلابہ رحمہ اللہ نے اس قبرستان کو پہلی حالت پر دیکھا اور اس شخص کے سامنے نور دیکھا جو آفتاب سے زیادہ روشن تھا اور دوسروں کے نور سے زیادہ کامل تھا۔ پس اس شخص نے کہا کہ اے ابوقلابہ رحمہ اللہ، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے، آپ کے کہنے سے میرے بیٹے نے آگ سے مجھے نجات دلا دی اور میں اپنے ہمسایوں میں شرمندگی سے بچ گیا اور اللہ کے واسطے سب تعریفیں ہیں۔ (القلیوبی)

وہ بچہ

شعبہ حفظ کی کلاس کو پڑھاتے ہوئے ابھی میرا تیسرا دن تھا کہ ایک شخص اپنے بیٹے کو لے کر کلاس میں داخل ہوا۔ لڑکے کی عمر تقریباً 13 سال ہوگی اور وہ مسلسل رو رہا تھا۔ ”قاری صاحب اس کی پٹائی کریں۔ مار مار کر ہڈیاں توڑ دیں اس نالائق کی۔“ لڑکے کے والد نے کہا۔ میں نے حیران ہو کر لڑکے کو اور اس شخص کو دیکھا تو اس نے وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ اسے پڑھنے کا شوق نہیں ہے، ضد کرتا ہے۔ دو سال ہوگئے ابھی تک دوسرا پارہ ختم نہیں ہوا۔ میں نے کہا، ”بھائی آپ فی الحال جائیں، میں اسے سمجھاؤں گا، ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔“

کلاس کے دوسرے طلباء سے میں نے اس لڑکے کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ اس لڑکے کے والد اسے حافظ قرآن بنانا چاہتا ہے، اس معاملے میں وہ بیٹے پر سختی کرتا ہے اور سابقہ قاری صاحب سے بھی یہی کہتا تھا کہ اسے ”کھینچ“ کے رکھیں جب کہ لڑکے کو شوق ہی نہیں ہے۔ مدرسے سے موقع ملتے ہی بھاگ جاتا ہے۔ دوپہر کو پڑھائی کا وقفہ ہوا تو میں نے اس لڑکے کو اپنے پاس بلایا۔ وہ بے چارہ ڈرا سہما قریب آ گیا۔

میں نے اسے سمجھایا کہ دیکھو بھائی! میرا اور آپ کا کوئی جھگڑا یا دشمنی تو ہے نہیں جس کی وجہ سے میں آپ کو ماروں گا، لہٰذا یہ ڈر اور خوف چھوڑ و اور مجھے بتاؤ کیا مسئلہ ہے؟ لڑکے نے کہا، سبق یاد نہیں ہوتا۔ میں نے کہا، یہ کوئی مسئلہ نہیں، آپ سے جتنا یاد ہو سکے، اتنا ہی سناؤ۔ اگر ایک صفحہ یاد نہیں ہوتا تو آدھا سنا دو۔ پھر بھی مسئلہ ہو تو مجھے بتا دو، میں آپ کو یاد کرا دوں گا۔ آپ شوق سے پڑھنے آؤ، بالکل نہیں ماریں گے۔ دس روپے کے بسکٹ لے کر بچے کو تحفہ دیا تو وہ خوش ہو کر چلا گیا۔ دوسرے دن صاف ستھرے کپڑے پہن کر آنکھوں میں سرمہ لگا کر جب مسکراتے ہوئے وہ لڑکا کلاس میں داخل ہوا تو سارے بچے حیران رہ گئے۔ چند دن بعد پوری کلاس کو خاموش کرا کے میں نے سارے بچوں کے سامنے اس کی تعریف کی اور انعام دیا تو وہ خوشی سے پھول گیا۔ وہی لڑکا قرآن پاک کا حافظ بنا اور ہاتھ ملا کر دعائیں لیتے ہوئے مدرسے سے رخصت ہوا۔

حافظ فیاض احمد ۔ خان پور

شہر کے قریب ایک محلے میں جماعت آئی ہوئی تھی۔ ایک دوست کے ہمراہ نصرت کے لیے گئے تو نمازِ عصر کے بعد بیان ہو رہا تھا۔

ایک نوجوان عالم دین خوب صورت انداز میں بیان کر رہا تھا۔ ہم خاموشی سے ایک طرف بیٹھ گئے۔ مجھے دیکھ کر اس نوجوان کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک ابھری۔ بیان ختم کر کے وہ نوجوان میرے پاس آیا۔ السلام علیکم! قاری صاحب! وعلیکم السلام! میں نے جواب دیا تو وہ بولا، قاری صاحب میں حذیفہ ہوں، پہچانا آپ نے؟ اور پھر میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی دبلا پتلا لڑکا تھا جو کہتا تھا کہ میرا دل نہیں لگتا۔ سبق یاد نہیں ہوتا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر استاد بچے کی نفسیات کو سمجھ کر اسے صحیح طریقے سے چلائے اور والدین بھی مثبت رویے کا اظہار کریں تو بچہ ان شاء اللہ کامیاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

بچوں اور نوجوانوں کے لیے منفرد ہفتہ وار انگریزی میگزین

The TRUTH

Subscription Charges

Rs. 1200 for 1 Year (52 Issues — 4 issues free)
Rs. 600 for 6 months (26 Issues — 2 issues free)
Rs. 300 for 3 months (13 Issues — 1 issue free)

Bank Account — The Truth Intr. Current A/c no. 0184-0100310268
Meezan Bank Gulshan-e-Maymar, Karachi

کراچی: 0334-3372304 | حیدر آباد: 0300-3037026 | رقم بذریعہ منی آڈر اور ایزی پیسہ بھی بھیج سکتے ہیں
لاھور: 0300-4284430 | سرگودھا: 0321-6018171 | سکھر: 0300-9313528
فیصل آباد: 0333-4365150 | راولپنڈی: 0321-5352745 | ملتان: 0305-8425669
پشاور: 0314-9007293 | کوئٹہ: 0321-8045069

پرانے شمارے بھی منگوائے جا سکتے ہیں

سبسکرپشن اور دیگر معلومات کیلئے مرکزی رابطہ
دی ٹرتھ 4-G-1/11 ناظم آباد نمبر 4 کراچی
0322-2740052,021-36881355

www.thetruthmag.com | info@thetruthmag.com